زکوٰۃ کے مسئلہ کو واضح کرنے کیلئے چراغ کی چمک

تجلی المشکوٰۃ
لانارۃ اسئلۃ الزکوٰۃ

۱۳۰۷ھ

تصنیف لطیف:-

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

تجلّی المشکوٰۃ لانارا سئلۃ الزکوٰۃ

۱۳ ھ ۰۷

(زکوٰۃ کے مسائل کو واضح کرنے کے لئے چراغ کی چمک)

مسئلہ ۱۲ تا ۱۴ از گونڈہ بہرائچ محلہ چھاؤنی، مکان مولوی اشرف علی صاحب مرسلہ حضرت سید حسین حیدر میاں صاحب دامت برکاتہم ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین لطف اللہ بہم اجمعین، ان مسائل میں،

مسئلہ اُولیٰ: زکوٰۃ بتدریج دی جائے یا یکمشت دینے میں کیا نقصان ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر زکوٰۃ پیشگی ادا کرتا ہے یعنی ہنوز حولانِ حول نہ ہُوا کہ وجوب ادا ہوجاتا، خواہ یُوں کہ ابھی نصاب نامی فارغ عن الحوائج کا مالک ہُوئے سال تمام نہ ہُوا یا یُوں کہ سالِ گزشتہ کی دے چکا ہے اور سالِ رواں ہنوز ختم پر نہ آیا تو جب تک انتہائے سال نہ ہو بلاشبہ تفریق و تدریج کا اختیارِ کامل رکھتا ہے جس میں اصلاً کوئی نقصان نہیں کہ حولانِ حول سے پہلے زکوٰۃ واجب الادا نہیں ہوتی۔ درمختار میں ہے،

شرط افتراضہ اداءہا حولان الحول ادائیگیِ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ مال

وھو فی ملکہ[1] کی ملکیت پر سال گزرے۔ (ت)

تو ابھی شرع اس سے تقاضا ہی نہیں فرماتی، یکمشت دینے کا مطالبہ کہاں سے ہوگا، یہ پیشگی دینا تبرع ہے ولاجبر علی المتبرع وھذا ظاھر جدا (نفلاً دینے پر جبر نہیں اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔ ت) اور اگر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجب الادا ہوچکی تو اب تفریق و تدریج ممنوع ہوگی بلکہ فوراً تمام وکمال زر واجب الادا ادا کرے کہ مذہب صحیح ومعتمد ومفتٰی بہ پر اداے زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ۔ ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کی تصریح ثابت۔

رواہ الفقیہ ابوجعفر عن الامام الاعظم وذکرہ ابو یوسف فی الامالی کما فی الخلاصۃ وفی منتقی الامام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم الشہید رحمہ اللہ تعالٰی علی مانقل القہستانی عن المحیط انہ علی الفور عندھما وعن محمد لاتقبل شہادۃ من اخر[2]، فھذا ظاھر فی انہ ھو المذھب المروی عن الشیخین فی ظاھر الروایۃ۔

یہی فقیہ ابوجعفر نے امام اعظم سے روایت کیا، امام ابویوسف نے اسے امالی میں ذکر کیا جیسا کہ خلاصہ میں ہے اور امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم الشہید رحمہ اللہ تعالٰی کی منتقی میں ہے جیسا کہ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ علی الفور لازم ہوجاتی ہے، اور امام محمد سے ہے کہ جس نے ادائیگی میں تاخیر کی اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ یہ بات اس بارے میں واضح ہے کہ شیخین سے یہی مذہب ظاہر الروایۃ میں مروی ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

یلزم بتاخیرہ من غیر ضرورۃ الاثم کما صرح بہ الکرخی والحاکم الشہید فی المنتقی، وھو عین ماذکرہ الفقیہ ابوجعفر عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یکرہ ان یؤخرھا من غیر عذر فان کراھۃ التحریم ھی المحمل عند اطلاق اسمھا عنھم

بغیر مجبوری کے تاخیر سے گناہ لازم آتا ہے جیسا کہ امام کرخی اور حاکم شہید نے المنتقی میں تصریح کی ہے یہ بعینہٖ وہی بات ہے جس کا تذکرہ فقیہ ابوجعفر نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کیا ہے کہ بغیر عذر ادائیگی کو مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ جب کراہت کا ذکر مطلقاً ہو تو اس وقت وہ مکروہ تحریمی پر محمول ہوتی ہے

---

[1] درمختار — کتاب الزکوٰۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۳۰

[2] جامع الرموز — " — مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران — ۲/۳۰۱

وکذا عن ابی یوسف وعن محمد ترد شہادتہ بتاخیر الزکوٰۃ حق الفقراء فقد ثبت عن الثلثۃ وجوب فوریۃ الزکوٰۃ[1] اھ ملخصا۔

امام ابویوسف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ تاخیرِ زکوٰۃ کی وجہ سے گواہی مردود ہوجائیگی کیونکہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے، تو تینوں بزرگوں سے یہ ثابت ہُوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی فی الفور لازم ہوتی ہے اھ ملخصا (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

ھل یأثم بتاخیر الزکوٰۃ بعد التمکن ذکر الکرخی انہ یأثم وھکذا ذکر الحاکم الشہید فی المنتقی وعن محمد ان من اخر الزکوٰۃ من غیر عذر لاتقبل شہادتہ وروی ھشام عن ابی یوسف لایأثم[2] اھ ملخصا قلت فقد قدم التاثیم وما یقدمہ فھو الراجح الاظھر الاشھر عندہ کما نص علیہ بنفسہ ویکون ھو المعتمد کما صرح بہ الطحطاوی والشامی وغیرھما وکذا قدمہ فی الھدایۃ والکافی۔

آدمی قدرت کے بعد تاخیرِ زکوٰۃ کی وجہ سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ امام کرخی نے فرمایا: گنہگار ہوگا۔ اسی طرح حاکم شہید نے منتقی میں ذکر کیا ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ جس شخص نے بغیر عذر زکوٰۃ کو مؤخر کیا اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ ہشام نے امام ابویوسف سے نقل کیا کہ وہ گنہگار نہ ہوگا اھ ملخصا، قلت (میں کہتا ہوں کہ) گناہ گار ہونا (امام ابویوسف کے حوالے سے) پہلے ذکر کیا ہے اور وہی قاضیخاں کے ہاں راجح، اظہر اور اشہر ہے، جیسا کہ اس پر خود انھوں نے تصریح کی ہے، اور یہی معتمد ہے، جیسا کہ اس پر طحطاوی، شامی اور دیگر لوگوں نے تصریح کی ہے، اسی طرح ہدایہ اور کافی میں اسی کو مقدم رکھا ہے (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ من غیر عذر وفی روایۃ الرازی علی التراخی حتی یأثم عند الموت والاول اصح

سال پُورا ہونے پر زکوٰۃ فی الفور لازم ہوجاتی ہے حتی کہ بغیر عذر تاخیر سے گناہ ہوگا، رازی کی روایت کے مطابق فی الفور لازم نہیں (حتی کہ مؤخر کرنے سے گناہ نہ ہوگا) البتہ اسی حالت میں موت آگئی تو

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۱۴

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مال التجارۃ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۹

کذا فی التھذیب[1]

قریب موت گناہگار ہوگا، لیکن پہلا قول اصح ہے جیساکہ تہذیب میں ہے۔ (ت)

جواہر اخلاطی میں ہے:

یجب الزکوٰۃ علی الفور حتی یاثم بتاخیرہ بلا عذر وقیل علی التراخی والاول اصح اھ[2] ملخصا۔

زکوٰۃ علی الفور واجب ہوجاتی ہے حتی کہ بغیر عذر مؤخر کرنے سے گناہگار ہوتا ہے، بعض کے نزدیک فی الفور نہیں ہوتی لیکن پہلا قول اصح ہے اھ ملخصا (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

قال محمد لاتقبل شھادۃ من لم یؤد زکوتہ وھذا یدل علی الفور کما قال الکرخی وعلیہ الفتوی[3]

امام محمد نے فرمایا: جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی، یہ بات دلالت کرتی ہے کہ زکوٰۃ فی الفور لازم ہوجاتی ہے۔ امام کرخی نے بھی یہی فرمایا ہے اور اسی پر فتوی ہے (ت)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

(وقیل فوری) ای واجب علی الفور (وعلیہ الفتوی) کما فی شرح الوھبانیۃ (فیاثم بتاخیرھا) بلاعذر (وترد شھادتہ) لان الامر بالصرف الی الفقیر معہ قرینۃ الفور وھی انہ لدفع حاجتہ وھی معجلۃ فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجہ التمام وتمامہ

(بعض نے کہا کہ زکوٰۃ فوری ہے) یعنی زکوٰۃ فی الفور لازم ہوجاتی ہے (اور اسی پر فتوی ہے) جیساکہ شرح وہبانیہ میں ہے (تو تاخیر ادائیگی سے گناہ لازم آئے گا) جب تاخیر بغیر عذر ہو (اور ایسے شخص کی شہادت مردود ہے) کیونکہ حکم زکوٰۃ کے ساتھ مصرف زکوٰۃ فقراء کا ذکر کرنا اس پر قرینہ ہے کہ فی الفور ادائیگی ہو کیونکہ زکوٰۃ دینا ضروریات فقیر کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے اور اس میں تعجیل مقصود ہے اور اگر یہ فی الفور لازم ہی نہ ہو تو کامل طور پر ایجاب زکوٰۃ کا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ تفصیل اس کی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوٰۃ فصل فی مال التجارۃ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۹
[2] جواھر الاخلاطی کتاب الزکوٰۃ غیر مطبوعہ قلمی نسخہ ص ۴۳
[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر " داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۲

Dar-ul-Tehkik Arshadia

فی الفتح[1] اھ اقول فاذا کان ھذا ھو قضیۃ الدلیل والالصق بمقصد الشرع الجلیل وھو الاحوط فی الدین والادفع لکید الشیاطین والانفع لفقراء المسلمین وقد جزم بہ المولٰی فقیہ النفس قاضی الامۃ وصححہ کما مر ویاتی من کبار الائمۃ وقد ثبت عن سادتنا الثلٰثۃ مالکی الازمۃ وقد نص کثیرون ان علیہ الفتوٰی ومعلوم ان ھذا اللفظ اٰکد واقوٰی فعلیہ فلیکن التعویل والاعتماد وان حکی التراخی ایضا عن الثلٰثۃ الامجاد وصححہ الباقانی والتاتارخانی بل قال المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ماذکر ابن شجاع عن اصحابنا ان الزکٰوۃ علی التراخی یجب حملہ علی ان المراد بالنظر الی دلیل الافتراض ای دلیل الافتراض لایوجبھا وھو لاینفی وجود دلیل الایجاب[2] اھ قال العلامۃ السید احمد المصری فی حاشیۃ الدر المختار اختار الکمال ان الزکٰوۃ فرضیۃ وفوریتھا واجبۃ ویصلح ھذا توفیقا بین القولین[3] اھ **قلت** وکان ظھر لی التوفیق بان من قال بالتراخی

فتح میں ہے اھ **اقول** جب دلیل کا معاملہ یہ ہے تو یہ مقصد شرع جلیل سے متصل اور قریب ہے اور یہی دین میں احوط اور شیاطین کے مکر کو دفع کرنے والا اور فقراء مسلمین کے لیے زیادہ نافع ہے، اسی پر ہمارے سربراہ فقیہ النفس قاضی الامت نے جزم فرمایا اور اس کو صحیح قرار دیا ہے جس کا ذکر گزرا اور کبار ائمہ سے اس کی تصحیح آرہی ہے اور ہمارے تینوں ائمہ جو مسلک کے سرتاج ہیں سے یہی ثابت ہے، اور کثیر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ فتوٰی اسی پر ہے، اور یہ بات مسلّم ہے کہ یہ الفاظ مؤکد اور قوی ہیں، لہذا اسی پر اعتماد ہونا چاہیے اگرچہ ان تینوں بزرگوں سے تراخی بھی منقول ہے اور اسے باقانی اور تاتارخانی نے صحیح کہا ہے بلکہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا ہمارے احناف سے ابن شجاع نے جو یہ کہا کہ زکوٰۃ فی الفور لازم نہیں اسے زکوٰۃ کی فرضیت کی دلیل سے تمسک کرنا ضروری ہے یعنی فرضیت کی دلیل فی الفور ادائیگی کو واجب نہیں کرتی جبکہ اس سے فوری ادائیگی کی علیحدہ دلیل کی نفی نہیں ہوتی ــــ علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ درمختار میں کہا کہ کمال کا مختار یہ ہے کہ زکوٰۃ فرض ہے اور فی الفور ادا کرنا واجب ہے، تو اس سے دونوں اقوال کے درمیان موافقت ممکن ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) میرے نزدیک تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ جس شخص نے تراخی کی

---

1. درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰
2. فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۱۴
3. حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۹۶

فمراده ان وقته العمر فتكون اداء متى ادى وان اثم بالتاخير ومن كان بالفور اراد انه يأثم بالتاخير وان لم يصر به قضاء ولا بدع في ذلك فان الحج فوري على الراجح مع الاجماع على انه لو تراخى كان اداء ونظيره سجدة التلاوة وجوبها فوري عند ابي يوسف ومتراخ عند محمد و هو المختار كما في النهر والامداد والدر المختار واذا اداها بعد مدة كان مؤديا اتفاقا لا قاضيا كما في النهر الفائق وغيره، **اقول** لكن يخدش التوفيق ما قدمنا عن الخانية حيث فرض المسئلة في التاثيم ونص رواية هشام عن ابي يوسف لا يأثم فلا بد من ابقاء الخلاف وترجيح الراجح او يقال ان هشاما انما سمع التراخي فنقل هو او من روى عنه بالمعنى على ما فهم ولعل فيه بُعدا يعرف وينكر فليتدبر، والله تعالى اعلم۔

بات کی ہے اس کی مراد یہ ہے کہ وقت ادا تمام عمر ہے، تو جس وقت بھی ادائیگی کرے گا زکوٰۃ ادا ہی ہوگی اگرچہ تاخیر سے گنہگار رہوگا، اور جس نے کہا "فی الفور واجب ہے" اس کی مراد یہ ہے کہ تاخیر سے انسان گنہگار ہو جاتا ہے اگرچہ تاخیر سے قضاء نہیں ہوگی اور یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ حج راجح قول کے مطابق فی الفور لازم ہے، حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے دیر کے بعد حج کیا تو ادا ہی ہوگا، اس کی نظیر سجدۂ تلاوت ہے جو امام ابو یوسف کے نزدیک فی الفور اور امام محمد کے نزدیک علی التراخی واجب ہے، اور یہی مختار ہے جیسا کہ نہر، امداد اور درمختار میں ہے، اگر کسی نے مدت کے بعد سجدہ کیا تو بالاتفاق ادا ہی ہوگا اسے قضاء کرنے والا نہ کہا جائیگا، جیسا کہ النہر الفائق وغیرہ میں ہے **اقول** ان دونوں تطبیقات کو خانیہ کی سابقہ عبارت مخدوش کر دیتی ہے کہ وہاں عنوانِ مسئلہ ہی گناہ گار ہونے کے بارے میں ہے، اور امام ابو یوسف سے روایتِ ہشام میں گنہگار نہ ہونے کی تصریح ہے لہذا اثباتِ اختلاف اور ترجیح راجح ضروری ہے یا یہ کہا جائے کہ ہشام نے تراخی سنا اور اسے نقل کر دیا یا جس نے ان سے روایت بالمعنی کی اس نے اپنی سمجھ کے مطابق نقل کر دیا، شاید اس میں بعد معلوم ہو اور اجنبی سمجھا جائے، تو غور کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

بلکہ ہمارے بہت ائمہ نے تصریح فرمائی کہ اس (زکوٰۃ) کی ادائیگی میں دیر کرنے والا مردود الشہادۃ ہے، یہی منقول ہے مگر مذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے،

كما مر عن الفتح والخانية ومجمع الانهر ومثله في خزانة المفتين وفي شرح النقاية عن المحيط وفي جواهر الاخلاطي وبه جزم في

جیسا کہ فتح، خانیہ اور مجمع الانہر میں ہے۔ اسی طرح خزانۃ المفتین اور شرح نقایہ میں محیط سے اور جواہر الاخلاطی میں ہے، اور اسی پر تنویر اور درمیں جزم

تنویر والدر کما سمعت ونقل الامام الخاصی وصاحب المضمرات شرح القدوری و الطحطاوی والشامی وغیرهم عن الامام قاضی خان ان علیه الفتوٰی وبه اخذ الفقیه ابو اللیث رحمه الله تعالٰی **اقول** وقول من قال ترد شهادته یؤیدنا کما لایخفٰی ومن قال لا فقوله لایخالفنا اذ لیس کل ما یترجح فیه الاثم وان صغیرة ممایرد به الشهادة کما لیس یخفٰی علی من طالع کتاب الشهادة ۔

کیا ہے جیسا کہ آپ سُن چکے ۔ امام خاصی، صاحب المضمرات شرح قدوری، طحطاوی اور شامی وغیرہ نے امام قاضی خاں سے نقل کیا کہ اسی پر فتوٰی ہے اور فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے اسے ہی لیا ہے **اقول** جس نے یہ کہا کہ "اس کی شہادت مردود ہے" اس نے ہماری تائید کی جیسا کہ مخفی نہیں، اور جس نے کہا "مردود نہیں" وُہ ہمارے مخالف نہیں کیونکہ ہر وُہ شَی جس میں گناہگار ہونا راجح ہو اگرچہ گناہ صغیرہ ہی ہو ایسی نہیں جس سے شہادت رَد ہوجاتے جیسا کہ یہ اس پر واضح ہے (مخفی نہیں) جس نے کتاب الشہادۃ کا مطالعہ کیا ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ تدریج میں اگر کل کی تاخیر نہ ہُوئی تو بعض کی ضرور ہوگی حالانکہ اس پر واجب تھا کہ کل مطالبہ فی الفور ادا کرے،

لان الایجاب الفوری انما هو للکل لا للبعض وهذا ظاهر جدا ثم فی معنی الفور ههنا بحث للعلامة الشامی قدس سره السامی حیث قال قوله فیأثم بتاخیرها الخ ظاهره الاثم بالتاخیر ولو قل کیوم او یومین لانهم فسروا الفور باول اوقات الامکان وقد یقال المراد ان لایؤخر الی العام القابل لما فی البدائع عن المنتقی بالنون اذا لم یؤد حتی مضی حولان فقد اساء و اثم اھ فتأمل[1] اھ **اقول** لایخفی ان هذا القول المعتمد منقول فی عامة الکتب بلفظ الفور

کیونکہ فوری واجب کرنا کل کے لیے ہے نہ کہ بعض کے لیے، اور یہ نہایت ہی واضح ہے، پھر یہاں علامہ شامی قدس سرہ السامی کو معنیِ فور میں کلام ہے وُہ کہتے ہیں مصنّف کے قول "تاخیرِ زکوٰۃ سے گنہگار ہوگا الخ" اس سے ظاہر یہی ہے کہ تاخیر اگرچہ تھوڑی ہو مثلاً ایک یا دو دن، اس سے گنہگار ہوگا، کیونکہ فقہائے فور کی تفسیر اوّل اوقاتِ امکان سے کی ہے، اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ آئندہ سال تک تاخیر نہ ہو کیونکہ بدائع میں منتقی سے ہے کہ جب کئی سال گزر جائیں اور (زکوٰۃ کی) ادائیگی نہ کی ہو تو یہ بُرا اور گناہ ہے اھ فتأمل **اقول** واضح رہے کہ یہ قول معتمد عام کتب میں لفظِ فور اور عدمِ تاخیر سے منقول ہے اور

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۳

وعدم التاخیر وانما معناہ کما نصوا علیہ وافدتم انتم ہو الاتیان فی اول اوقات الامکان فالتقیید بعدم التاخیر عاما تغییر لا تفسیر ویظہر لی ان قضیۃ الدلیل ایضا تخالفہ فان العلماء کالامام فقیہ النفس والامام المحقق علی الاطلاق والامام حسین بن محمد السمعانی صاحب خزانۃ المفتین والعلامۃ برہان الدین ابی بکر بن ابراہیم الحسینی صاحب جواہر الاخلاطی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی ذکروا تعلیل تفرقۃ محمد بایجاب الزکوۃ علی الفور[1] والحج متراخیا بان الزکوۃ حق الفقراء فیأثم بتاخیر حقہم بخلاف الحج فانہ خالص حق المولٰی سبحانہ وتعالٰی وانتم تعلمون ان حق العبد بعد وجوب الاداء والتمکن منہ لا یتاخر اصلا الا تری ان الاجل اذا حل فمطل الغنی ظلم وان قل وکذا ما حقق المولی المحقق حیث اطلق من ان مع النص قرینۃ الفور وہو الشرع لدفع حاجۃ الفقراء وہی معجلۃ یدل علی الفور الحقیقی ولا یتفاوت التسویف بعام وعوام فی عدم حصول المقصود علی وجہ التمام لا جرم ان قال فی مجمع الانہر بعد ذکرہ الفتوی علی فوریۃ الزکوۃ

اس کا معنی جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی اور آپ خود افادہ کرچکے، کہ اوّل اوقاتِ امکان میں بجالانا ہے لہذا عدمِ تاخیر کو سال کے ساتھ مقید کرنا تغییر (بدل دینا) ہے تفسیر نہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ دلیل بھی اس کی مخالفت کررہا ہے کیونکہ علماء مثلاً امام فقیہ النفس، امام محقق علی الاطلاق، امام حسین بن محمد سمعانی صاحب خزانۃ المفتین اور علامہ برہان الدین ابوبکر بن ابراہیم الحسینی صاحب جواہر الاخلاطی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے امام محمد کے زکوٰۃ کو فی الفور اور حج کو علی التراخی لازم قرار دینے کی علتوں میں فرق کرتے ہوئے کہا کہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے تو اُن کے حق میں تاخیر کی وجہ سے وُہ شخص گنہگار ہوگا بخلاف حج کے کہ وُہ خالصۃً اللہ سبحانہ وتعالٰی کا حق ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ حقِ عبد وجوب وقدرت اور وجوبِ ادا کے بعد بالکل متأخر نہیں ہوتا، کیا آپ نے نہیں دیکھا جب قرض کی ادائیگی کا وقتِ مقررہ آجائے تو غنی کا ڈھیل وتاخیر کرنا ظلم ہوتا ہے اگرچہ وُہ تاخیر تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، اور اسی طرح مولٰی محقق نے تحقیق کرتے ہُوئے کہا کہ نص میں قرینہ فور ہے کہ زکوٰۃ حاجتِ فقراء کو دُور کرنے کے لیے ہے اور اس میں تعجیل ہے جو فورِ حقیقی پر دال ہے، اب کامل طور پر مقصد کے عدمِ حصول میں سال یا متعدد سالوں کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوگا خصوصاً جبکہ مجمع الانہر میں فوریتِ زکوٰۃ کا تذکرہ کرتے ہُوئے کہا فتوٰی فورِ زکوٰۃ

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/۱۳

معنی یجب علی الفور انہ یجب تعجیل الفعل فی اوّل اوقات الامکان[1] اھ قد سمعت نص الخانیۃ اذ قال ھل یأثم بتاخیر الزکوۃ بعد التمکن[2] اھ وقال فی خزانۃ المفتین یأثم بتاخیر الزکوۃ بعد التمکن ومن اخر من غیر عذر لاتقبل شہادتہ لان الزکوۃ حق الفقراء فیأثم بتاخیر حقھم[3] اھ ملخصًا فھٰذہ نصوص صرائح وما فی المنتقی مفہوم مع انہ ھو الذی یقضی بہ الدلیل فحق ان یکون علیہ التعویل نعم لاغرو فی تقیید رد الشہادۃ بمرور المدۃ فان دلیل الفور ظنی والثابت بہ الوجوب فترکہ صغیرۃ لاترد بہ الشہادۃ الا بعد الاصرار ولابد لذلک من مرور مدۃ کما افاد البحر فی مسئلۃ تاخیر الحج، واللہ تعالٰی اعلم۔

پر ہے "یجب علی الفور" کا معنی یہ بیان کیا کہ اوّل اوقاتِ امکان میں فعل کو بجالانا واجب ہے اھ اور آپ خانیہ کی اس تصریح پر بھی آگاہ ہیں کہ کیا تمکن کے بعد تاخیرِ زکوٰۃ سے انسان گناہگار ہوتا ہے یا نہیں اھ اور خزانۃ المفتین میں فرمایا، تمکن کے بعد تاخیرِ زکوٰۃ سے گناہ گار ہوتا ہے، اور جس نے بغیر عذر ادائیگی مؤخر کی اس کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ فقراء کا حق ہے، تو ان کے حق میں تاخیر کرنا گناہ ہوگا اھ ملخصًا، پس یہ صریح نصوص ہیں۔ اور جو کچھ المنتقی میں ہے وہ مفہوم ہے باوجود یکہ دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے، لہذا اسی پر اعتماد کرنا حق ہے، ہاں ردِ شہادت کو مدت کے گزرنے کے ساتھ مقید کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ دلیلِ فور ظنی ہے جس سے وجوب ثابت ہوگا، لہذا اس کا ترک صغیرہ گناہ ہے اس سے شہادت مردود نہیں ہوگی، ہاں مگر اس صورت میں جب ترک پر اصرار ہو، لہذا اس کے لیے مدت کا گزرنا ضروری ہے جیسا کہ بحر میں مسئلہ تاخیرِ حج میں تفصیل مذکور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

پھر بعد وجوب ادا تدریج کی حضرت اظہر من الشمس کہ مذہب صحیح پر ترک فور کرتے ہی گنہگار ہوگا اور مذہب تراخی پر بھی تدریج نامناسب کہ تاخیر میں آفات ہیں۔

وقال تعالٰی سارعوا الٰی مغفرۃ من ربکم[4] وقال تعالٰی فاستبقوا الخیرات[5]۔

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے، اپنے رب سے بخشش مانگنے میں جلدی کرو۔ اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے، نیکیوں میں آگے بڑھو۔ (ت)

---

[1] مجمع الانہر کتاب الزکوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۲
[2] فتاوٰی قاضی خان " منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۹
[3] خزانۃ المفتین فصل فی مال التجارۃ (قلمی نسخہ) ۱/۵۳ [4] القرآن ۳/۱۳۳ [5] القرآن ۲/۱۴۸

ظاہر ہے کہ وقتِ موت معلوم نہیں، ممکن ہے کہ پیش از ادا آجائے تو بالاجماع گنہگار رہوگا،

فان کل موسع یتضیق عند الموت کما نصوا علیہ ولذا صرح القائلون بتراخی الوجوب انہ یأثم عند الموت کما قدمنا۔

کیونکہ واجب موسع، موت کے قریب مضیق ہوجاتا ہے جیسا کہ اس پر فقہاء نے تصریح کی ہے، اور اسی وجہ سے علی التراخی وجوب کے قائلین موت کے قریب تارک کو گنہگار کہتے ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے (ت)

اسی طرح تدریج میں اور دقتیں بھی محتمل، کما لا یخفٰی علٰی خادم الفقۃ (جیسا کہ کسی بھی خادمِ فقہ پر مخفی نہیں۔ت) اور مالی وجانی حوادث سے محفوظ بھی رہا تو نفس پر اعتماد کسے ہے فان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم[1] (شیطان انسان میں خُون کی طرح گردش کرتا ہے۔ت) ممکن کہ بھکا دے اور آج جو قصدِ ادا ہے کل یہ بھی نہ رہے۔ سیدنا وابن سیدنا امام کریم ابن الامام الکرام حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالٰی نے ایک قبائے نفیس بنوائی، طہارت خانے میں تشریف لے گئے، وہاں خیال آیا کہ اسے راہِ خدا میں دیجئے فوراً خادم کو آواز دی قریب دیوار حاضر ہوا، حضور نے قبائے معلّٰی اتار کر دی کہ فلاں محتاج کو دے آ۔ جب باہر رونق افروز ہوئے خادم نے عرض کی اس درجہ تعجیل کی وجہ کیا تھی؟ فرمایا، کیا معلوم تھا کہ باہر آتے آتے نیت میں فرق آجاتا۔ سبحان اللہ! یہ اُن کی احتیاط ہے جو اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ[2] (بلاشبہ میرے بندوں پر تیری حکومت نہیں چلے گی۔ت) کی آغوش میں پلے اور اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا[3] (اللہ تعالٰی چاہتا ہے کہ اے اہلبیتِ نبوی! تم سے پلیدی کو دُور کرے اور تمھیں خُوب پاک فرمادے۔ت) کے دریا میں نہائے دُھلے صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیھم الکریم الاکرام وعلیھم اجمعین وبارک وسلم (ان کے والدگرامی پر اللہ تعالٰی کی رحمتیں ہوں اور ان تمام پر بھی اور برکات وسلام۔ت) پھر ہم کہ مسخرہ دستِ شیطان ہیں، کس اُمید پر بے خوف ومطلق العنان ہیں وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ میرے نزدیک چند باتیں لوگوں کو تدریج پر حامل ہوتی ہیں، کبھی یہ خیال کہ اہم فالاہم میں صرف کریں یعنی جس وقت جس حاجتمند کو دینا زیادہ مناسب سمجھیں اُسے دیں، کبھی یہ کہ سائل بکثرت آتے ہیں یہ چاہتا ہے مالِ زکوٰۃ ان کے لیے رکھ چھوڑے کہ وقتاً فوقتاً دیا کرے کبھی یکمشت دینا ذرا نفس پر بار ہے اور تھوڑا تھوڑا نکلتا جائے گا تو معلوم نہ ہوگا۔ جنھیں یہ خیال ہوں اُن کے لیے راہ یہی ہے کہ زکوٰۃ پیشگی دیا کریں مثلاً ماہِ مبارک رمضان میں اُن

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب فی الوسوسۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸

[2] القرآن ۱۵/۴۲

[3] القرآن ۳۳/۳۳

پر حولان حول ہوتا ہے تو رمضان شریف کے لیے شوال شریف سے دینا شروع کریں اور ختم سال تک بتدریج حسبِ رائے و مصلحت دیتے رہیں کہ اس میں ان کے مقاصد بھی حاصل ہوں گے اور تدریج مذموم و ممنوع سے بھی بچیں گے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

مسئلہ ثانیہ: زید کے پاس زیور ہے وہ اُس کی زکوٰۃ دیتا ہے آئندہ کو زیور زیادہ ہو تو کس حساب سے زرِ زکوٰۃ زیادہ کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

شریعتِ مطہرہ نے سونے چاندی کی نصاب پر کہ حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہو خواہ وہ روپیہ اشرفی ہو، گہنا یا برتن یا ورق یا کوئی شے، حولان حول قمری کے بعد چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر فرمایا ہے، سونے کی نصاب ساڑھے سات تولے ہے اور چاندی کی ساڑھے باون تولے، پھر نصاب کے بعد جو کچھ نصاب مذکور کے پانچویں حصہ تک نہ پہنچے معاف ہے اُس پر کچھ واجب نہیں هذا هو مذهب صاحب المذهب رضی اللہ تعالیٰ عنه وهو الصحیح کما فی التحفة ثم مجمع الانهر (یہی صاحبِ مذہب (امام اعظم) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تحفہ میں پھر مجمع الانہر میں ہے۔ ت) جب خمس کامل ہو جائے اُس پر پھر اس خمس کا چالیسواں حصہ فرض ہوگا، یُوں ہی ایک خمس سے دوسرے تک عفو اور ہر خمس کامل پر اس کا ربع عشر، مثلاً ایک شخص کے پاس ۹ تولے سونا اس پر ۲ ماشے سونا زکوٰۃ دیتا ہے اور اگر ایک تولے سے کم اس پر زائد ہے مثلاً ایک رتی کم ۹ تولے ہے جب بھی وہی ۲ ماشے ۲ سُرخ واجب ہے یہ رتی کم ایک تولہ معاف ہے، ہاں اگر پورا چھ ماشے ایک تولہ ہے کہ خمس نصاب ہے، اور ہو تو اس کا بھی ربع عشر یعنی ۳ ۲/۵ سُرخ، اور واجب ہوگا کل ۹ تولے پر ۲ ماشے، ۵ ۲/۵ سرخ ہے، پھر ایک تولہ پُورا ہونے تک کچھ نہ بڑھے گا، جب ۱۰ تولے ۲ ماشے کامل ہو وہی ۳ ۲/۵ سُرخ اور بڑھ کر ۲ ماشہ ۳ ۱/۵ سُرخ واجب الادا ہوگا، وعلیٰ ہذا القیاس۔ اسی طرح جس کے پاس ۳۵ تولہ ۹ ماشہ چاندی ہے اس پر ۱ تولہ ۲ ماشہ چاندی واجب ہے، اور جب تک ۱۰ تولے چاندی کہ خمس نصاب ہے نہ بڑھے، یہی واجب رہے گا۔ جب ۴۳ تولے کامل ہو جائے تو اس ۱۰ تولے کا ۱/۴۰ یعنی ۳ ماشہ ۱ ۱/۵ سُرخ، اور زائد ہو کر ایک تولہ ۱۰ ماشہ ۲/۵ سرخ کا وجوب ہوگا وعلیہ قس۔ درمختار میں ہے:

نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درهم کل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقیل والمعتبر وزنهما اداءً و وجوبًا لا قیمتهما واللازم فی مضروب کل منهما

سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا دوسو ایسے درہم ہے کہ ان میں سے دس دس درہم سات مثقال کا وزن رکھتے ہوں، ان کا وزن ادائیگی اور وجوب میں معتبر ہے، ان دونوں کی قیمت کا اعتبار نہیں، پھر ان

ومصوله ذوتبرًا وحليًا مطلقاً مباح الاستعمال اولا ربع عشره وفی کل خمس بضم الخاء بحسابه ففی کل اربعین درهما درهم وفی کل اربعة مثاقیل قیراطان ومابین الخمس الی الخمس عفو وقالا مازاد بحسابه وهی مسئلة الکسور[1] اھ ملخصًا۔

دونوں سے بنی ہوئی اشیاء میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ لازم ہے اگرچہ یہ ڈلی کی صورت میں یا زیورات کی صورت میں ہوں، خواہ ان کا استعمال مباح ہو یا ممنوع ہو (یعنی مردوں کیلئے) ہر خمس میں اس کے حساب سے زکوٰۃ ہوگی، پس ہر چالیس دراہم میں ایک درہم اور ہر چار مثقال میں دو قیراط زکوٰۃ ہوگی جو خمس سے دوسرے خمس تک ہے، اس میں زکوٰۃ نہیں، صاحبین کے نزدیک جتنا اضافہ ہو اس میں اسی کے حساب سے زکوٰۃ ہوگی، یہی مسئلہ کسور کہلاتا ہے اھ ملخصًا (ت)

پھر جو شخص مالک نصاب ہے اور ہنوز حولان حول نہ ہوا کہ سال کے اندر ہی کچھ اور مال اسی نصاب کی جنس سے خواہ بذریعہ ہبہ یا میراث یا شرایا وصیت یا کسی طرح اس کی ملک میں آیا تو وہ مال بھی اصل نصاب میں شامل کرکے اصل پر سال گزرنا اس سب پر حولان حول قرار پائے گا اور یہاں سونا چاندی تو مطلقاً ایک ہی جنس میں خواہ ان کی کوئی چیز ہو اور مال تجارت بھی انہیں کی جنس سے گنا جائیگا اگرچہ کسی قسم کا ہو کہ آخر اس پر زکوٰۃ یوں ہی آتی ہے کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی سے لگا کر انہیں کی نصاب دیکھی جاتی ہے تو یہ سب مال زروسیم ہی کی جنس سے ہیں اور وسط سال میں حاصل ہوئے تو ذہب وفضہ کے ساتھ شامل کرلئے جائیں گے بشرطیکہ اس ملانے سے کسی مال پر سال میں دوبار زکوٰۃ نہ لازم آئے، پھر ملانے کے بعد عفو وایجاب کے وہی احکام ہیں جو اوپر گزرے، مثلاً ایک شخص یکم محرم ۱۳۱۰ھ کو ۳۰ تولے سونے کا مالک ہوا اور اس کے سوا جنس زروسیم سے اور کوئی چیز اس کی ملک نہیں تو اس پر ۹ ماشے سونا زکوٰۃ میں فرض ہے کہ سلخ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کو واجب الادا ہوگا، ہنوز سال تمام نہ ہوا کہ مثلاً یکم رجب کو ایک تولہ اور یکم ذی الحجہ کو دو تولے سونا اُسے اور ملا کہ اب کل ۳۳ تولے ہوگیا تو سلخ ذی الحجہ کو اس مجموع کی زکوٰۃ ۹ ماشہ، ۴/۵ سُرخ سونا واجب الادا ہوگا، گویا اس سب پر سال گزر گیا اگرچہ واقع میں اس ایک تولے کو ہنوز چھ مہینے اور اس دو تولے کو ایک ہی مہینہ گزرا ہے، اور اگر اس تولہ بھر کے بعد اور نہ ملا کہ سال تمام پر صرف ۳۱ تولے تھا تو وہی ۹ ماشہ واجب رہیں گے کہ نصاب کے بعد خمس پورا ہونے تک زیادت معاف ہے اسی طرح اگر تین تولے سونا تو نہ ملا مگر مثلاً ۲۰ ذی الحجہ کو اس نے اپنی زمین یا غلّہ یا اثاث البیت کے عوض اس قدر مالِ تجارت خریدا جس کی قیمت ۳ تولے سونے تک پہنچی تو اگرچہ اسے ملک میں آئے ابھی دس ہی دن گزرے مگر مجموع

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵-۱۳۴

۳۴ تولے کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر اس کے پاس مثلاً ایک نصاب بکریوں اور ایک دراہم کی تھی اس نے دراہم کی زکوٰۃ ادا کردی اور اُن کے عوض اور بکریاں لیں، ان نئی بکریوں کے لیے آج سے سال شمار کیا جائے گا اگلی بکریوں میں ضم نہ کریں گے کہ آخر یہ اُسی روپے کے بدل میں جس کی زکوٰۃ اس سال کی بابت ادا ہوچکی اب اگر انھیں نصاب شاۃ میں ملاتے ہیں تو ایک مال پر ایک سال میں دو بار زکوٰۃ لازم آتی جاتی ہے اور یہ جائز نہیں۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

المستفاد ولوبھبۃ[1] (اوشراء اومیراث او وصیۃ اھ ش[2]) وسط الحول یضم الی نصاب من جنسہ[3] (مالم یمنع منہ مانع وھو الثنی المنفی بقولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ولا ثنی فی الصدقۃ اھ ش[4]) فیزکیہ بحول الاصل ولوادی زکوٰۃ نقد ثم اشتری بہ سائمۃ لاتضم[5] (الی سائمۃ عندہ من جنس السائمۃ التی اشتراھا بذلک النقد المزکی ای لایزکیھا عند تمام حول السائمۃ الاصلیۃ عند الامام للمانع المذکور اھ ش[6]) اھ بالتلخیص وفی ش ایضا احد النقدین یضم الی الاٰخر وعروض التجارۃ الی النقدین للجنسیۃ باعتبار

سال کے وسط میں جو بھی حاصل شدہ ہو خواہ بصورتِ ہبہ ہو (یا شراء یا میراث یا وصیت کی صورت میں ہو اھ ش) اسے ہم جنس نصاب میں شامل کیا جائیگا بشرطیکہ اس میں کوئی مانع نہ ہو اور تکرارِ زکوٰۃ ہے جس کی نفی سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی کہ صدقہ میں تکرار نہیں اھ ش) تو حول اصل کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اگر کسی نے نقدی کی زکوٰۃ ادا کی پھر اس نے سائمہ جانور خریدا تو وہ اسے نہ ملائے (اصل سائمہ کے ساتھ جو اس نے اس نقدی سے خریدا تھا جس کی زکوٰۃ ادا کردی گئی یعنی امام کے نزدیک مانع مذکور کی وجہ سے حول سائمہ اصلیہ کے اختتام پر مذکورہ سائمہ پر زکوٰۃ نہیں ہوگی اھ ش) اھ بالتلخیص، ش میں یہ بھی ہے کہ دونوں نقدین (سونا و چاندی)

[1] درمختار	کتاب الزکوٰۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۳۳
[2] ردالمحتار	باب زکوٰۃ الغنم	مصطفی البابی مصر	۲/۲۵
[3] درمختار	"	مجتبائی دہلی	۱/۱۳۳
[4] ردالمحتار	"	مصطفی البابی مصر	۲/۲۶
[5] درمختار	"	مجتبائی دہلی	۱/۱۳۳
[6] ردالمحتار	"	مصطفی البابی مصر	۲/۲۶

قیمتها[1] بحر اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم۔

کو ایک دوسری جنسیت کے اعتبار سے ملایا جائے، سامانِ تجارت کو قیمت کے اعتبار سے نقدین کے ساتھ ملایا جائے، بحر اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ثالثہ: اگر آئندہ زیور کم ہوجائے تو کس حساب سے کمی کی جائے؟ بینوا توجروا

الجواب

زکوٰۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے نہ عفو میں، مثلاً ایک شخص آٹھ تولے سونے کا مالک ہے تو دو ماشے سونا کہ اس پر واجب ہُوا، وہ صرف ۷ تولے کے مقابل ہے نہ کہ پُورے آٹھ تولے کے، کہ یہ چھ ماشے جو نصاب سے زائد ہے عفو ہے۔ یُوں ہی اگر ۱۰ تولے کا مالک ہو تو زکوٰۃ صرف ۹ تولے یعنی ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس کے مقابل ہے، دسواں تولہ معاف۔ ملتقی الابحر میں ہے:

الزکوٰۃ تتعلق بالنصاب دون العفو فلو ھلک بعد الحول اربعون من ثمانین شاۃ تجب شاۃ کاملۃ[2] اھ ملخصًا۔

زکوٰۃ کا تعلق نصاب سے ہوتا ہے عفو سے نہیں، اب اگر سال کے بعد اس کی بکریوں میں سے چالیس ہلاک ہوگئیں تو اب بھی ایک کامل بکری زکوٰۃ لازم ہوگی اھ ملخصًا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لا فی عفو وھو ما بین النصب فی کل الاموال[3]

عفو میں زکوٰۃ نہیں اور یہ ہر مال میں وہ مقدار وحصہ ہے جو نصابوں کے درمیان ہوتا ہے (ت)

پس اگر نقصان مقدارِ عفو سے تجاوز نہ کرے یعنی اُسی قدر مال کم ہوجائے جتنا عفو تھا، مثلاً مثال اول میں ۶ ماشے اور دوم میں ایک تولہ، جب تو اصلًا قابلِ لحاظ نہیں کہ اس قدر پر تو پہلے بھی زکوٰۃ نہ تھی کل واجب بمقابلہ مال باقی تھا وُہ اب بھی باقی ہے تو زکوٰۃ اسی قدر واجب اور کمی نظر سے ساقط کما مثل لہ فی الملتقی (جیسا کہ ملتقی میں اس کی مثال دی گئی۔ ت) اور اگر مقدار عفو سے متجاوز ہو یعنی اُس کے باعث کسی نصاب میں نقصان آئے خواہ یُوں کہ مال میں جس قدر عفو تھا نقصان اس سے زائد کا ہُوا جیسے امثلۂ مذکورہ میں دو تولے یا یُوں کہ ابتداءً

---

[1] ردالمحتار | باب زکوٰۃ الغنم | مصطفی البابی مصر | ۲/۲۶

[2] ملتقی الابحر | فصل فی زکوٰۃ الخیل | موسسۃ الرسالہ بیروت | ۱/۱۷۷

[3] درمختار | باب زکوٰۃ الغنم | مجتبائی دہلی | ۱/۱۳۳

مال صرف مقادیر نصاب پر تھا عفو سرے سے تھا ہی نہیں جیسے ۱۵ یا ۲۰ یا ۵۰ تولے سونا کہ اس میں رتی چاول جو کچھ گھٹے گا کسی نہ کسی نصاب میں کمی کرے گا۔ ایسا نقصان دو حال سے خالی نہیں یا حولانِ حول سے پہلے ہے یا بعد، برتقدیرِ اوّل دو حال سے خالی نہیں، یا تو سال تمام پر رقم نصابہائے پیشیں پھر پُوری ہوگئی یا نہیں، اگر پُوری ہوگئی تو یہ نقصان بھی اصلاً نہ ٹھہرے گا اور اس مجموع رقم پر حولانِ حول سمجھا جائے گا، مثلاً ایک شخص یکم محرم ۱۳۰۰ھ کو ۱۵ تولے سونا کا مالک تھا بعدہٗ اس میں سے کسی قدر قلیل خواہ کثیر ضائع ہوگیا یا صرف کر دیا یا کسی کو دے ڈالا اور تھوڑا سا اگرچہ بہت خفیف باقی رہا، پھر جس قدر کم ہوگیا تھا سلخ ذی الحجہ سے پیشتر اگرچہ ایک ہی دن پہلے پھر آگیا تو پُورے ۱۵ تولہ یعنی دو نصاب کامل کی زکوٰۃ دینی ہوگی کہ ایک مثقال سونا ہے، یُونہی اگر مثلاً آٹھ تولے سونے کا مالک ہے اور وسط میں تولہ بھر گھٹ گیا کہ نصاب بھی پُوری نہ رہی، ختمِ سال سے پہلے چھ سات ماشے مل گیا تو وہی زکوٰۃ تمام و کمال لازم آئے گی کہ چھ ماشے جو عفو تھا جس طرح اُس کے ہلاک کا اعتبار نہیں یُونہی بعد ہلاک اس کا عود درکار نہیں صرف اس قدر چاہیے کہ شروع سال میں ایک یا زائد جتنی نصابوں کا مالک ہُوا تھا، ختم سال پر وہ نصابیں پُوری ہوں تو جس قدر زکوٰۃ کا وجوب بحالتِ استمرار ہوتا اُسی قدر پُوری واجب ہوگی اور نقصان درمیانی پر نظر نہ کی جائے گی، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اصل مال سے کوئی پارہ محفوظ رہے سب بالکل فنا نہ ہوجائے ورنہ ہلاکِ اوّل سے شمارِ سال جاتا رہے گا اور جس دن ملک جدید ہوگی اُس دن سے حساب کیا جائے گا، مثلاً یکم محرم کو مالکِ نصاب ہُوا صفر میں سب مال سفر کرگیا، ربیع الاوّل میں پھر بہار آئی تو اسی مہینہ سے حول گنیں گے حسابِ محرم جاتا رہا۔ درمختار میں ہے:

شرط کمال النصاب فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد و فی الانتہاء للوجوب فلایضر نقصانہ بینہما فلو ھلک کلہ بطل الحول[1]

سال کی دونوں اطراف میں کمالِ نصاب کی شرط ہے ابتدا میں انعقاد اور انتہا میں وجوب کے لیے، درمیانی مدّت میں کمی نقصان دہ نہیں۔ ہاں اگر سارا مال ہلاک ہوگیا تو سال باطل ہوجائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان وجد منہ شیئا قبل الحول ولو بیوم ضمہ وزکی الکل[2]

اگر کوئی شئی سال کے اختتام سے حاصل ہُوئی خواہ ایک ہی دن پہلے ہو اسے ملا یا جائیگا اور تمام کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ (ت)

---

[1] درمختار | باب زکوٰۃ المال | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۳۵

[2] ردالمحتار | باب زکوٰۃ الغنم | ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر | ۲/۲۳

اُسی میں ہے :

قولہ ھلك کلہ ای فی اثناء الحول حتی لو استفاد فیہ غیرہ استانف لہ حولا جدیدًا۔[1]

قولہ اگر سارا سال مال ہلاک ہوگیا، یعنی سال کے وسط میں، حتی کہ اگر اس مال کے علاوہ حاصل ہوتا ہے تو اس کے لیے نیا سال ہوگا۔ (ت)

اور اگر یہ نقصان مستمر رہا یعنی ختم سال پر وہ نصابیں پوری نہ ہوئیں تو اس وقت جس قدر موجود ہے اتنے کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور وہی احکام حسابِ نصاب و لحاظ عفو کے اس قدر موجود پر جاری ہوں گے، جو جاتا رہا گویا تھا ہی نہیں کہ حولانِ حول اسی مقدار پر ہُوا حتی کہ اگر یہ مقدار نصاب سے بھی کم ہے تو زکوٰۃ راسًا ساقط۔

وذلك لان الحولان شرط الوجوب فاذا نقص عن النصاب لم یجب شیئ والا وجب فیما حال علیہ الحول۔

کیونکہ سال کا گزرنا شرطِ وجوب ہے، جب نصاب سے کم ہے تو کوئی شئی لازم نہ ہوگی اور اگر نصاب ہے تو جس پر سال گزرا ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ (ت)

حدیث میں ہے حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

لازکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول[2] اخرجہ ابن ماجۃ عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

مال پر زکوٰۃ سال گزرنے سے پہلے لازم نہیں ہوتی اسے ابن ماجہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ (ت)

حاشیہ شامی میں ہے :

لو استھلکہ قبل تمام الحول فلازکوٰۃ علیہ لعدم الشرط[3]

اگر اس نے مال سال کے گزرنے سے پہلے ہلاک کردیا تو عدمِ شرط کی وجہ سے زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔ (ت)

برتقدیر ثانی یعنی جب کہ مال پر سال گزرگیا اور زکوٰۃ واجب الادا ہوچکی، اور ہنوز نہ دی تھی کہ مال کم ہوگیا، یہ تین حال سے خالی نہیں کہ سبب کمی استہلاک ہوگا یا تصدق یا ہلاک۔ استہلاک کے یہ معنی کہ اس نے اپنے فعل سے اُس رقم سے کچھ اتلاف کیا، صرف کرڈالا، پھینک دیا، کسی غنی کو ہبہ کردیا۔ اور یہاں تصدق سے یہ مراد کہ بلانیتِ زکوٰۃ کسی فقیر محتاج کو دے دیا۔ اور ہلاک کے یہ معنی کہ بغیر اس کے فعل کے ضائع و تلف ہوگیا مثلًا

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/۲۳
[2] سُنن ابن ماجہ ابواب الزکوٰۃ باب من استفاد مالا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۹
[3] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/۲۱

چوری ہوگئی یا زر وزیور کسی کو قرض و رعایت دے دیا وہ مکر گیا اور گواہ نہیں یا مر گیا اور ترکہ نہیں یا مال کسی فقیر پر دین تھا مدیون محتاج کو ابرا کر دیا کہ یہ بھی حکم ہلاک میں ہے۔

اب صورتِ اُولٰی یعنی استہلاک میں جس قدر زکوٰۃ سال تمام پر واجب ہوئی تھی اُس میں سے ایک حبّہ نہ گھٹے گا یہاں تک کہ اگر سارا مال صرف کر دے اور بالکل نادار محض ہو جائے تاہم قرضِ زکوٰۃ بدستور ہے،

سراجیہ ونہایہ وغیرہما میں ہے:

لو استھلك النصاب لا یسقط[1]

اگر نصاب کو کسی نے ہلاک کر دیا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی (ت)

نہر الفائق وحاشیہ طحطاوی میں ہے:

لو وھب النصاب لغنی بعد الوجوب ضمن الواجب وھو اصح الروایتین[2]

اگر کسی نے نصاب کسی غنی کو وجوب کے بعد ہبہ کر دیا تو وُہ واجب (مقدار) کا ضامن ہوگا اور یہی دونوں روایات میں اصح ہے۔ (ت)

محیط سرخسی وعالمگیریہ میں ہے:

فی روایۃ الجامع یضمن قدر الزکوٰۃ وھو الاصح[3]

روایۃ الجامع میں ہے کہ مقدار زکوٰۃ کا ضامن ہوگا اور یہی اصح ہے (ت)

اور صورتِ ثانیہ یعنی تصدق میں اگر نذر یا کفارے یا کسی اور صدقہ واجبہ کی نیت کی تو بالاتفاق اس کا حکم بھی مثلِ استہلاک ہے یعنی زکوٰۃ سے کچھ ساقط نہ ہوگا جو دیا اور جو باقی رہا سب کی زکوٰۃ لازم آئیگی۔

درمختار میں ہے:

اذا نوی نذرًا او واجبًا اٰخر یصح ویضمن الزکوٰۃ[4]

جب کسی نے نذر کی نیت کر لی یا کسی اور واجب کی تو صحیح ہے مگر زکوٰۃ کی ضمانت دینا ہوگی۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الزکوٰۃ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۵

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الزکوٰۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۹۵

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوٰۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۱

[4] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

اور اگر تطوع یا مطلق تصدق کی نیت تھی اور سب تصدق کر دیا تو بالاتفاق زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔ ہندیہ میں ہے:

من تصدق بجمیع نصابه ولاینوی الزکوٰۃ سقط فرضها عنه وھذا استحسان کذا فی الزاھدی ولا فرق بین ان ینوی النفل اولم تحضرہ النیة[1]

جس نے تمام مال صدقہ کردیا اور زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو اس سے فرض ساقط ہوجائے گا اور یہ استحسان ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس نے صدقہ نفل کی نیت کی یا ذہن نیت سے خالی تھا۔ (ت)

اور اگر بعض تصدق کیے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جس قدر صدقہ کیا اُس کی زکوٰۃ ساقط اور باقی کی لازم، مثلاً دو سَو درم پر حولان حول ہوگیا اور زکوٰۃ کے پانچ درم واجب ہولیے اب اس نے سَو درم فقیر کو دے دئے تو ان سَو کی زکوٰۃ یعنی ڈھائی درم ساقط ہوگئی صرف ڈھائی دین رہے،

وھو روایة عن صاحب المذھب رضی اللہ تعالٰی عنه کما فی الزاھدی والعنایة وغیرھما وعن الامام ابی یوسف ایضا کما فی القھستانی عن الخزانة قلت وبه جزم القدوری[1] فی مختصرہ والسمعانی[2] فی خزانة المفتین عن شرح الطحاوی[3] ولما قال الاکمل روی ان الامام محمد فی ھذہ المسئلة قال الطحاوی عن ابی السعود عن شیخه وھذا کالتصریح بارجحیته اھ وقد نص فی القھستانی والھندیة اثرین عن الزاھدی انه الاشبه[4]

اور یہی صاحبِ مذہب (امام اعظم) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جیسا کہ زاہدی اور عنایہ وغیرہ میں ہے اور امام ابو یوسف سے بھی یہی مروی ہے، جیسا کہ قہستانی نے خزانہ سے نقل کیا ہے قلت (میں کہتا ہوں) اسی پر قدوری نے مختصر میں، سمعانی نے خزانۃ المفتین میں شرح طحاوی سے جزم کیا ہے۔ اکمل نے کہا کہ امام صاحب اس مسئلہ میں امام محمد کے ساتھ ہیں، طحاوی نے ابو السعود سے انھوں نے اپنے شیخ سے نقل کیا کہ یہ راجح ہونے پر تصریح کی طرح ہے اھ قہستانی اور ہندیہ میں زاہدی سے یوں نقل کیا کہ یہی اشبہ ہے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ	کتاب الزکوٰۃ	نورانی کتب خانہ پشاور	۱/۱۷۱
[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر	"	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر	۲/۱۲۶
[3] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار	"	دارالمعرفۃ بیروت	۱/۳۹۵
[4] فتاوٰی ہندیہ	"	نورانی کتب خانہ پشاور	۱/۱۷۱

مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بعض کا تصدق مطلقاً مثل استہلاک ہے کہ کسی نیت سے ہو اصلاً زکوٰۃ سے کچھ نہ گھٹے گا، تو صورتِ مذکورہ میں اگرچہ سو روپیہ خیرات کرڈے زکوٰۃ کے پانچوں درم بدستور واجب رہے، یہ مذہب زیادہ قوی ومقبول وشایانِ قبول ہے۔

اقول فقد اعتمد عامة المتون كالوقاية[1] والنقاية[2] والكنز[3] والاصلاح[4] والملتقى[5] والتنوير[6] وغيرها حتى لم يتعرض كثير منهم لخلافه اصلا و اقرتهم عليه الشروح كذخيرة[7] العقبى والبرجندي[8] وتبيين[9] الحقائق والايضاح[10] ومجمع[11] الانهر والدر[12] المختار وغيرها وقدمه قاضي[13] خان وابراهيم الحلبي في متنه وهما لا يقدمان الا الاظهر الاشهر الارجح كما نصا عليه في خطب الكتابين وكذا اقدمه في الخلاصة[14] ومعلوم ان التقديم يشعر بالاختيار كما في كتاب الشركة من الغنية والنهر والدر المختار واخر دليله في الهداية[15] وهو لا يؤخر الا دليل ما هو المختار عنده ليكون جوابا من دليل ما تقدم واقره على هذا اشارة المحقق[16] في الفتح وكذا ذكر الزيلعي في التبيين دليل القولين وشيد دليل ابي يوسف واجاب عن دليل محمد ونسب في الايضاح والملتقى والدر المختار الخلاف لمحمد وهو تضعيف له كما عرف من محاوراتهم واقر الدر على ذلك الشامي[17] وقواه ببعض ما ذكرنا هنا وهو صنيع الملتقى و

اقول اکثر متون نے اسی پر اعتماد کیا ہے مثلاً وقایہ، نقایہ، کنز، اصلاح، ملتقی، تنویر وغیرہ، حتی کہ اکثریت نے اس میں کسی قسم کے اختلاف کا تذکرہ تک نہیں کیا اور شروحات نے بھی انھیں کے قول کو ثابت رکھا ہے مثلاً ذخیرۃ العقبیٰ، برجندی، تبیین الحقائق، ایضاح، مجمع الانہر اور درمختار وغیرہ۔ قاضی خان اور ابراہیم حلبی نے اپنے متن میں اسے مقدم رکھا ہے اور وہ دونوں حضرات اظہر، اشہر اور ارجح قول کو ہی مقدم ذکر کرتے ہیں جیسا کہ اُنھوں نے اپنی کتب کے خطبہ میں اس پر تصریح کی ہے، اور خلاصہ میں بھی اسے مقدم رکھا ہے اور یہ مسلّم ہے کہ تقدیم مختار ہونے پر دال ہے جیسا کہ غنیہ، نہر اور درمختار کی کتاب الشرکت میں ہے، اور ہدایہ میں اس قول کی دلیل کو مؤخر بیان کیا ہے اور وہ مختار قول کی دلیل ہی کو مؤخر ذکر کرتے ہیں تاکہ ماقبل دلیل کا جواب بن سکے۔ محقق علی الاطلاق نے بھی فتح القدیر میں اسی کو اشارۃً ثابت رکھا ہے، اسی طرح زیلعی نے تبیین میں دونوں اقوال کی دلیل بیان کی اور امام ابو یوسف کی دلیل کو مضبوط کرتے ہوئے امام محمد کی دلیل کا رَد کیا، ایضاح، ملتقی اور درمختار میں کہا کہ اس میں امام محمد کا اختلاف ہے اور وہ اس قول کے ضعیف ہونے پر دال ہے جیسا کہ محاوراتِ فقہاء سے واضح ہے، امام شامی نے دُر کے قول کو اسی طرح ثابت رکھا اور بعض

تقديم قاضي خان وتاخير الهداية
فقد ترجح هذا **اولاً** بتظافر عامة
المتون عليه، و**ثانياً** بجلالة
شان من اعتمده واقره كالامام
فقيه النفس الذي قالوا فيه انه
لا يعدل عن تصحيحه والامام المحقق
صاحب الهداية وعصريهما الامام
صاحب الخلاصة والامام النسفي
صاحب الكنز فالامام برهان الدين محمود
وحفيده الامام صدر الشريعة والامام المحقق
حيث اطلق والامام الفخر الزيلعي والعلامة الامام
ابن كمال الوزير وهم جميعاً من ائمة الاجتهاد
بوجه اقرلهم بذلك علماء معتمدون ولا
كذلك من عددنا في القول الاول الا القدوري
وشارح الطحاوي اما السمعاني فلم ار من
اعترف له بذلك وابو السعود هذا ليس
هو الامام المحقق علامة الوجود خاتمة
المجتهدين محمد افندي مفتي الديار
الرومية فانه متقدم على صاحب البحر المقدم
على الشرنبلالي السابق على السيد ابي السعود هذا
المتكلم على كتب الشرنبلالي تحشيا وتعليقا
فتصحيح هؤلاء الجلة ولو التزاماً لا يقاومه
قول المجروح المطروح ان غيره اشبه ثم ما فيهم
وفي من تبعهم من اعاظم المتاخرين من الكثرة
كما علمت يقضي بترجيحه فانما العمل

ہمارے مذکورہ دلائل سے اس کو تقویت دی اور وہ
ملتقی کا طریقہ ہے ، تقدیم قاضی خان اور تاخیر طریقہ ہدایہ
ہے لہذا یہ قول ترجیح پائے گا اولاً تو اس لیے کہ
اس پر اکثر متون ہیں ثانیاً اس پر بزرگ ترین شخصیات
نے اس کی تصریح کی اور اسے ثابت رکھا ہے ، مثلاً
امام فقیہ النفس جن کے بارے میں فقہاء نے تصریح کی
ہے کہ ان کی تصحیح سے عدول نہیں کیا جا سکتا امام محقق
صاحب ہدایہ اور ان کے معاصرین امام صاحب الخلاصہ
اور امام نسفی صاحب الکنز پھر امام برہان الدین محمود
اور ان کے پوتے امام صدر الشریعہ ، امام المحقق علی
الاطلاق ، امام فخر زیلعی اور علامہ ابن کمال الوزیر اور یہ
تمام بالوجہ ائمہ اجتہاد ہیں ، جس کا اقرار کرنے والے
علمائے معتمدین ہیں ، اور قول اول میں ہمارے شمار
کا معاملہ اس طرح نہیں ماسوائے قدوری اور شارح
الطحاوی کے ۔ رہا معاملہ سمعانی کا ، تو میں نے ان کیلئے اجتہاد کا
اعتراف کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا اور ابو سعود سے
امام محقق علامۃ الوجود خاتمۃ المجتہدین محمد آفندی مفتی دیار
روم مراد نہیں کیونکہ وہ صاحب بحر سے پہلے گزرے ہیں
اور صاحب بحر شرنبلالی سے مقدم اور شرنبلالی اس
سید ابو السعود سے مقدم ہیں جنھوں نے کتب شرنبلالی
پر حواشی و تعلیقات تحریر کی ہیں ، پس ان عظیم علماء کی
تصحیح اگرچہ التزاماً ہو کا مقابلہ کوئی مجروح و مطروح قول
نہیں کر سکتا اس بات میں کہ اس کا غیر مختار ہے پھر ان
علماء اور ان کے متبعین علماء متاخرین کی کثرت جیسا کہ
معلوم ہو چکا ہے بھی ترجیح کا تقاضا کرتی ، کیونکہ عمل اس پر

بما علیہ الاکثر کما فی العقود الدریۃ وغیرھا، **وثالثاً** بقوۃ دلیلہ کما یظھر بمراجعۃ التبیین وغیرہ، **ورابعاً** ان فرض تساوی القولین من جھۃ الترجیح فیترجح ھذا بانہ قول ابی یوسف کما عرف ذٰلک فی رسم المفتی، **وخامساً** بانہ الاحوط فان فیہ الخروج عن العھدۃ بیقین، **وسادساً** بانہ الانفع للفقراء وقد علم ان للعلماء بذٰلک اعتناءً عظیماً فی الزکٰوۃ والاوقاف ھذا ما ظھر لی فانظر ماذا ترٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

ہوتا ہے جس پر اکثریت ہو جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے، **ثالثاً** اس کی دلیل قوی ہونے کی وجہ سے جیسا کہ تبیین وغیرہ کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے، **رابعاً** اگر جہت ترجیح کی وجہ سے دونوں اقوال میں مساوات فرض کرلیں تب بھی یہی قول ترجیح پا جائے گا کیونکہ یہ امام ابویوسف کا قول ہے جیسا کہ رسم المفتی میں معلوم ہو چکا، **خامساً** احوط یہی ہے کیونکہ اس صورت میں ذمہ داری سے بالیقین نکلا جا سکتا ہے، **سادساً** یہ فقراء کے لیے زیادہ سُودمند ہے اور یہ معلوم ہے کہ علماء زکوٰۃ و اوقاف میں اس کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں، مجھ پر تو یہی واضح ہوا، آپ کی کیا رائے ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

رہی **صورتِ ثالثہ** یعنی ہلاک، اس میں بالاتفاق کم یا بہت جس قدر تلف ہو بحساب اربعۂ عشر اسیہ اُتنے کی زکوٰۃ ساقط ہوگی اور جتنا باقی رہے اگرچہ نصاب سے بھی کم اُتنے کی زکوٰۃ باقی، مثلاً دوسو۲۲۰ بیس درم شرعی کا مالک تھا حولان حول کے بعد ۵ درم واجب الادا ہوئے، ابھی نہ دئے تھے کہ ۴۰ درم ہلاک ہوگئے تو اب نیم درم ساقط اور ۴ واجب کہ ۲۰ تو عفو تھے جن کے مقابل زکوٰۃ سے کچھ نہ تھا وہ تو بیکار گئے، نصاب میں سے صرف بیس۲۰ گھٹے، وہ نصاب کی عشر ہیں تو زکوٰۃ کا بھی دسواں حصہ یعنی آدھا درم ساقط ہو گا باقی باقی' یا یُوں دیکھ لیا کہ نصاب سے ۲۰ ہلاک ہُوئے ہیں ان کا ۱/۴۰ نیم درہم ہے اُسی قدر ساقط ہوگیا، یا یُوں خیال کرلیا کہ ایک سَو اسّی باقی ہیں ان کا ۱/۴۰ ساڑھے چار ہیں اسی قدر واجب رہا، تینوں کا حاصل ایک ہے، اور اگر صورتِ مذکورہ میں ۲۱ درم ضائع ہُوئے ہیں تو زکوٰۃ سے درم کا صرف جیسواں حصّہ کہ کل واجب کا نصف عشر عشر یعنی ۱/۲۰۰ ہے ساقط ہوگا، باقی ۴ ۱۹/۲۰ واجب کہ نصاب سے فقط ایک درم ہلاک ہُوا ہے، یہ نصاب کا ۱/۲۰۰ تھا، اور اگر ۴۱ تلف ہُوئے تو درم کا فقط ۱/۴۰ دینا آئے گا باقی ساقط کہ اسی حساب سے حصّہ نصاب باقی ہے وعلٰی ہذا القیاس۔ درمختار میں ہے:

لاشیئ فی عفو ولا فی ھالک بعد وجوبھا تعلقھا بالعین لا بالذمۃ وان ھلک بعضہ سقط حظہ ویصرف

عفو میں کوئی شَے لازم نہیں، وجوب زکوٰۃ کے بعد ہلاک ہوجانے والے مال پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ زکوٰۃ کا تعلق اس مال سے تھا نہ کہ ذمہ کے ساتھ، اور اگر تھوڑا ہلاک

الهالك الى العفو اولا ثم الى نصاب يليه ثم و ثم بخلاف المستهلك لوجود التعدی والتوی بعد القرض والاعادة هلاك[1] اھ ملتقطا۔

ہو تو اس کے مطابق زکوٰۃ ساقط ہوگی اور ہلاک ہونے والے کو پہلے عفو کی طرف پھر اس سے متصل نصاب کی طرف پھرا جائے گا، اسی طرح آگے سلسلہ ہوگا بخلاف ہلاک کیے جانے والے کے، کیونکہ یہاں زیادتی ہے، قرض لینے والے کے انکار اور دوبارہ ادا کرنے کا نقصان ہلاکت کہلائے گا اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

والتوی ھنا ان یجحد ولا بینة علیه او یموت المستقرض لاعن ترکة[2]

"توی" سے یہاں مراد یہ ہے کہ مقروض، گواہ نہ ہونے پر قرض سے انکار کردے یا مقروض قرضہ کی ادائیگی کے لیے ترکہ چھوڑے بغیر فوت ہوجائے (ت)

اسی میں ہے:

من الاستهلاك مالو أبرأ مدیونه الموسر بخلاف المعسر[3] اھ اقول وما اشار الیه فی الدر من الترتیب فی الصرف الی النصب فهو مذهب سیدنا الامام الاعظم رضی الله تعالٰی عنه خلافا للامام ابی یوسف رحمه الله تعالٰی فانه یصرف الهالك بعد العفو الی جمیع النصب شائعا ولکنی لم اذکره ههنا لان الکلام فی الذهب والفضة وفیهما لاثمرة لهذا لعدم تفاوت نصبها فی الواجب اصلا فانه ربع العشر علی الاطلاق وانما تظهر فی السوائم

ہلاک کیے جانے والے مال کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے امیر مقروض کو معاف کردے بخلاف تنگدست کو معاف کردینے کے۔ **اقول** در میں نصاب کے مصارف کی جس ترتیب کی طرف اشارہ ہے وہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے۔ اس میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے کیونکہ وہ عفو کے بعد ہلاک ہونے والے حصّہ کو مشترکہ طور پر تمام نصابوں کی طرف لوٹاتے ہیں لیکن میں نے یہاں اسے ذکر نہیں کیا کیونکہ کلام سونے اور چاندی میں ہے اور ان دونوں میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ ان کے وجوب نصاب میں اصلاً تفاوت نہیں، وہ تو مطلقاً چالیسواں

---

[1] درمختار باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳
[2] ردالمحتار دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۱
[3]

Dar-ul-Tehkik Arshadia

امّا الاختلاف الواجب فیها باختلاف النصب فقد یکون شاۃ و تارۃ بنت مخاض واخری بنت لبون وھکذا فمن ملک ستۃ وثلثین من الابل فھلک احدی عشرۃ فالواجب عند الامام بنت مخاض وعند الشافی ٢٥/٣٦ بنت لبون ای خمسۃ وعشرون جزء من ستۃ وثلثین جزء من اجزاء بنت لبون وامّا لانعدام الشلیۃ فیتصور تفاوت الحسابین کمن ملک مائتی شاۃ وشاۃ فالواجب ثلث شیاہ ھلکت منھا ثمانون فالواجب عند الامام شاتان صرفا للھلاک الی اقرب النصب وعند ابی یوسف ١٢١/٢٠١ ثلث شیاہ ای مائۃ واحد وعشرون جزء من مائتی اجزاء وجزء من ثلث شیاہ ولا یجب ان یکون ھذا کمثل شاتین ویظھر ذلک عند التقویم فان دفع القیمۃ جائز فی الزکوٰۃ قطعًا فلنفرض ان شاۃ بسبعۃ وستین قرشا فقیمۃ الواجب عند الامام ١٣٤ قرشا وعند ابی یوسف ١٢١ وھکذا اما ھٰھنا فالتعیین والشیوع سواء بلا تفاوت اصلا فان من ملک مثلا ٤٤ مثقالا من ذھب فالواجب مثقال وقیراطان لان لکل مثقال عشرون قیراطا فاذا

حصر ہے ، ہاں چارپایوں میں ثمرہ (اختلاف) ظاہر ہوگا ، یا تو اس میں اختلافِ نصاب اختلاف واجب کی وجہ سے ہوگا ، مثلاً کبھی بکریاں ہوں گی کبھی بنت مخاض اور کبھی بنت لبون ، پس جو شخص چھتیس اونٹوں کا مالک بنا ، ان میں سے گیارہ ہلاک ہو گئے ، امام کے نزدیک یہاں بنت مخاض لازم ہے اور دوسرے کے نزدیک بنت لبون کا ٢٥/٣٦ یعنی بنت لبون کے چھتیس اجزاء میں سے پچیس اجزاء لازم ہوں گے ، یا وہاں مثلیت معدوم ہونے کی وجہ سے دونوں حسابوں میں تفاوت متصور ہوگا ، مثلاً ایک شخص [٢٠١] دوسو ایک بکری کا مالک ہے اب تین بکریاں لازم ہوگئیں مگر ان میں سے اسّی ہلاک ہوگئیں تو امام کے نزدیک اقرب نصاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے یہاں دو بکریاں لازم ہوں گی اور امام ابو یوسف کے نزدیک تین بکریوں کا ١٢١/٢٠١ یعنی تین بکریوں کے [٢٠١] دوسو ایک اجزاء میں سے [١٢١] ایک سو اکیس لازم ہوں گے اور اس کا دو بکریوں کی مانند ہونا لازم نہیں اور اس چیز کا اظہار قیمت لگانے کے وقت ہی ہوگا کیونکہ قیمت دینے سے زکوٰۃ بالیقین ادا ہو جاتی ہے ، مثلاً ہم فرض کرتے ہیں کہ بکری کی قیمت [٦٧] سڑسٹھ قرش ہے تو امام کے نزدیک [١٣٤] ایک سو چونتیس قرش اور امام ابو یوسف کے نزدیک [١٢١] ایک سو اکیس قرش زکوٰۃ لازم ہوگی اسی طرح باقی قیاس کرلیں ، لیکن زیر نظر مسئلہ میں تعیین اور اشتراک برابر ہیں ان میں کوئی تفاوت ہی نہیں ، جو شخص مثلاً [٤٤] چوالیس مثقال سونے کا مالک بنا تو اس پر ایک مثقال اور دو قیراط زکوٰۃ لازم ہے کیونکہ ہر مثقال [٢٠] بیس قیراط ہوتا ہے ، مثلاً

هلک ۲۴ مثقالاً مثلاً وبقی ۲۰ فالواجب علی طریقۃ الامام نصف مثقال وعلٰی طریقۃ ابی یوسف $\frac{۵}{۱۱}$ ای خمسۃ اجزاء من احد عشر جزء من اجزاء مثقال وقیراطین فاذا جنسنا حصل ۲۲ قیراطا فحصتها المذکورۃ عشرۃ قراریط وذلک نصف مثقال وکذا اذا ملک ۱۸ تولجۃ من ذهب وهو نصابان وخمسان فالواجب ۵ ماشہ ۳ $\frac{۱}{۵}$ سرخ فاذا هلک ۳ تولجات مثلا بقی نصابان فالواجب علی طریقۃ الامام ۴ ماشہ ۴ سرخ وعلی طریقۃ ابی یوسف $\frac{۵}{۶}$ من الواجب الاول فاذا جعلنا الکل اخماس حبۃ کانت ۲۱۶ خمسا ناخذ منها $\frac{۵}{۶}$ یحصل ۱۸۰ خمسا وهو ۴ ماشہ ۴ سرخ سواءً بسواء وان شککت فانظر الی هذا العمل:

۶) ۲۱۶ (۳۶
۵
۵) ۱۸۰ (۳۶
۸) ۳۶ (۴ ماشہ

ثم اعلم ان ابراء المدیون الغنی ایضا قد یکون هلاکا وذلک اذا کان الدین ضعیفا وهو الذی لیس فی مقابلۃ ۴ سرخ مال کالمهر والدیۃ وبدل الخلع وتمام الکلام علیه فی رد المحتار واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

چوبیس مثقال ہلاک ہوگیا اور باقی بیس رہ گیا تو امام کے طریق پر نصف مثقال اور امام ابویوسف کے مطابق $\frac{۵}{۱۱}$ یعنی گیارہ مثقال اور دو قیراط کے اجزاء میں پانچ اجزاء لازم ہوں گے، جب ہم انھیں ہم جنس قرار دیں تو یہ بائیس قیراط بن جائیں گے، اب ان میں حصہ مذکورہ دس قیراط ہوگا اور یہ نصف مثقال ہے۔ اسی طرح مثلاً کوئی شخص اٹھارہ تولے سونے کا مالک بنا تو یہ دو نصاب اور دو خمس ہیں تو اب پانچ ماشے ۳ $\frac{۱}{۵}$ رتی بنے گا تو اب اگر تین تولے مثلاً ہلاک ہوگیا تو دو نصاب باقی رہ گئے۔ اب امام کے طریق کے مطابق چار ماشے اور چار رتی، اور امام ابویوسف کے طریقہ پر $\frac{۵}{۶}$ واجب اول کا ہوگا، تو اگر ہم سب کو حبہ کے خمس بنائیں تو کل ۲۱۶ خمس ہوئے ان میں سے $\frac{۵}{۶}$ لے لیں تو ۱۸۰ خمس حاصل ہوئے اور ۴ ماشے ۴ رتی ہوئے جو برابر برابر ہیں، اگر تمھیں شک ہو تو اس عمل کو دیکھو:

۶) ۲۱۶ (۳۶
۵
۵) ۱۸۰ (۳۶
۹) ۳۶ (۴ ماشہ

پھر معلوم ہونا چاہئے کہ کسی غنی مقروض کو بری کرنا بھی کبھی ہلاک قرار پاتا ہے اور یہ جب ہوگا کہ قرض یا دین بہت کم ہو اور وہ یہ ۴ رتی سے کم ہو تو مال نہ قرار پائیگا جیسا کہ مہر، دیت، خلع کے بدل میں اس مقدار کو مال قرار نہیں دیا جاتا، اس کی مکمل بحث ردالمحتار میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ رابعہ : سادات محتاجین کو زرِ زکوٰۃ دینا جائز ہے یانہیں، بہت سادات محتاج ایسے ملتے ہیں کہ خود مانگتے ہیں اور میں نے سُنا ہے کہ عُلمائے رام پور نے جواز کا فتوٰی دیا ہے مگر میں نے اب تک یہ جرأت نہ کی۔ اس بارہ میں آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب، زکوٰۃ ساداتِ کرام وسائر بنی ہاشم پر حرام قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے ائمہ ثلٰثہ بلکہ ائمہ مذاہبِ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا اجماع قائم۔ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالٰی میزان میں فرماتے ہیں :

اتفق الائمۃ الاربعۃ علی تحریم الصدقۃ المفروضۃ علی بنی ہاشم وبنی عبدالمطلب وھم خمس بطون اٰل علی واٰل العباس واٰل جعفر واٰل عقیل واٰل الحارث بن عبدالمطلب ھذا من مسائل الاجماع والاتفاق[1] اھ ملخصًا۔

باتفاقِ ائمہ اربعہ بنوہاشم اور بنوعبدالمطلب پر صدقہ فرضیہ حرام ہے، اور وُہ پانچ خاندان ہیں : آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آلِ عقیل، آلِ حارث بن عبدالمطلب۔ یہ اجماعی اور اتفاقی مسائل میں سے ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

اول تا آخر تمام متونِ مذہب قاطبۃً بے شذوذ شاذ وعامہ شروحِ معتمدہ وفتاوائے مستندہ اس حکم پر ناطق اور خود حضور پُرنور سیّد السادات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں اس باب میں وارد، اس وقت جہاں تک فقیر کی نظر ہے بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس مضمون کی حدیثیں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیں :

حضرت[1] سیّدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ احمد والبخاری ومسلم (ان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام احمد، بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ ت) حضرت[2] سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ روی احمد وابن حبان برجال ثقات (ان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے احمد اور ابن حبان نے ثقہ رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت) حضرت[3] سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما روی الامام الطحاوی والحاکم وابونعیم وابن سعد فی الطبقات وابوعبید القاسم بن سلام فی کتاب الاموال[2] وروی عنہ الطحاوی حدیثا اٰخر والطبرانی حدیثا ثالثا (امام طحاوی، حاکم، ابونعیم، ابن سعد نے طبقات اور

---

[1] المیزان الکبرٰی باب قسم الصدقات مصطفی البابی مصر ۲/۱۳

ابوعبید قاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں روایت کیا ہے اور طحاوی نے ان سے دوسری حدیث اور طبرانی نے تیسری حدیث روایت کی ہے۔ ت) حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ احمد و مسلم والنسائی (ان سے احمد، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ت) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ ابن حبان والطحاوی والحاکم وابونعیم (ان سے ابن حبان، طحاوی، حاکم اور ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ ت) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ الشیخان ولہ عند الطحاوی حدیثان اُخراں (ان سے بخاری و مسلم نے روایت کیا اور انہی سے امام طحاوی نے دو اور احادیث نقل کی ہیں۔ ت) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ البخاری و مسلم ولہ عند الطحاوی حدیث اُخر (ان سے بخاری و مسلم نے روایت کیا اور انہی سے طحاوی نے ایک اور حدیث روایت کی ہے۔ ت) حضرت معاویہ بن حیدہ قشیری رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ الترمذی والنسائی ولہ عند الطحاوی حدیث اُخر (ان سے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور انہی سے طحاوی نے ایک اور حدیث بیان کی ہے۔ ت) حضرت ابورافع مولٰی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم روی عنہ احمد وداؤد والترمذی والنسائی والطحاوی وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم (ان سے امام احمد، داؤد، ترمذی، نسائی، طحاوی، ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ ت) حضرت ہرمز یا کیسان مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روی عنہ احمد والطحاوی (ان سے امام احمد اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔ ت) حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ اسحٰق بن راھویۃ وابویعلی الموصلی والطحاوی والبزاز والطبرانی والحاکم (ان سے اسحاق بن راہویہ، ابویعلی الموصلی، طحاوی، بزاز، طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ ت) حضرت ابولیلٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ، حضرت[19] ابوعمیرہ رشید بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہما الطحاوی (ان دونوں سے طحاوی نے روایت کیا ہے۔ ت) حضرت[20] عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، حضرت[21] عبدالرحمن بن علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یقال صحابی (ان کو صحابی کہا گیا ہے۔ ت) حضرت[22] عبدالرحمن بن ابی عقیل رضی اللہ تعالٰی عنہ علق عن الثلثۃ الترمذی (امام ترمذی نے ان تینوں سے تعلیقاً حدیث بیان کی ہے۔ ت) حضرت ام المومنین[23] صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما روی عنہا الستۃ (ان سے اصحاب ستہ نے بیان کیا۔ ت) حضرت ام المومنین ام[24] سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روی عنہ احمد و مسلم (ان سے امام احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ ت) حضرت ام[25] عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روی عنہا احمد والبخاری و مسلم (ان سے امام احمد، بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ ت) اور بیشک اس تحریم کی علت اُن حضرات عالیہ کی عزت وکرامت و نظافت و طہارت کہ زکوٰۃ مال کا مَیل ہے اور گناہوں کا دھوون اس ستھری نسل والوں کے قابل نہیں، خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی

علیہ وسلم نے اس تعلیل کی تصریح فرمائی،

کما فی حدیث المطلب عند مسلم وابن عباس عند الطبرانی وعلی المرتضٰی عند الطحاوی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

جیسا کہ مسلم کے ہاں حدیثِ مُطّلب، طبرانی کے ہاں حدیث ابن عباس اور طحاوی کے ہاں حدیثِ علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین میں ہے۔ (ت)

اسی طرح عامہ علماء مثل امام ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار اور امام شمس الائمہ سرخسی محیط اور امام صدر شہید شرح جامع صغیر اور امام برہان الدین فرغانی ہدایہ اور امام حافظ الدین نسفی کافی اور امام فخرالدین زیلعی تبیین اور امام سمنانی خزانۃ المفتین اور علامہ یوسف چلپی ذخیرۃ العقبٰی اور محقق غزی منح الغفار اور مدقق علائی درمختار اور فاضل رومی مجمع الانہر اور سید حموی غمز العیون اور ان کے غیر اس حکم کی یہی علت بیان فرماتے ہیں اور شک نہیں کہ یہ علت تغیر زمانہ سے متغیر نہیں ہوسکتی تو دائمًا ابدًا بقائے حکم میں کوئی شبہ نہیں، یہاں تک کہ جمہور علمائے کرام مثل امام ابوالحسن کرخی و امام ابوبکر جصاص و امام حسام الدین عمر صدر شہید و امام علی بن ابی بکر مرغینانی صاحبِ ہدایہ و امام طاہر بخاری صاحبِ خلاصہ و امام سغناقی صاحبِ نہایہ و امام نسفی صاحبِ کافی و امام زیلعی شارح کنز و امام حسین بن محمد صاحبِ خزانہ و امام ہمام محمد بن الہمام صاحبِ فتح و علامہ اتقانی صاحبِ غایۃ البیان و علامہ برجندی شارح نقایہ و علامہ زین بن نجیم صاحبِ اشباہ و بحر و علامہ عمر بن نجیم صاحبِ نہر و علامہ ابراہیم حلبی صاحبِ ملتقی و علامہ محمد حصکفی صاحبِ درمختار و مصنفانِ اختیار شرح مختار و فتاوٰی ہندیہ وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم بنی ہاشم کو مالِ زکوٰۃ سے عمل صدقات کی اُجرت لینا ناجائز ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ اغنیاء کے لیے بھی روا کہ من کل الوجوہ زکوٰۃ نہیں مگر آخر شبہ زکوٰۃ ہے اور بنی ہاشم کی جلالتِ شان شبہ لوث سے بھی برأت کی شایاں۔ تبیین الحقائق میں ہے:

یستحقہ عمالۃ الا ان فیہ شبہۃ الصدقۃ بدلیل سقوط الزکوٰۃ عن ارباب الاموال فلا یحل للعامل الہاشمی تنزیہا لقرابۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن شبہۃ الوسخ وتحل للغنی لانہ لایوازی الہاشمی فی استحقاق الکرامۃ فلا تعتبر الشبہۃ فی حقہ[1] اھ ملخصًا۔

عاملین زکوٰۃ کے حقدار ہیں مگر چونکہ اس میں شبہِ زکوٰۃ ہے کیونکہ اس سے صاحبِ اموال کی زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے لہٰذا ہاشمی عامل کے لیے حلال نہیں تاکہ قرابتِ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مَیل کے شبہ سے بھی محفوظ رکھا جائے البتہ غنی عامل کے لیے جائز ہے کیونکہ وہ مرتبہ کرامت میں ہاشمی کے برابر نہیں، لہٰذا ان کے حق میں اس شبہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اھ ملخصًا (ت)

---

[1] تبیین الحقائق باب المصرف مطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۱/۲۹۶

محیط و بحر و درر وغیرہا میں ہے ، زکوٰۃ ہاشمی کے غلام مکاتب کو بھی جائز نہیں حالانکہ مکاتب اغنیاء کیلئے حلال، اور وجہ وہی کہ ملک مکاتب من وجہ ملک مولٰی ہے اور یہاں شبہہ مثل حقیقت ۔ ردالمحتار میں ہے ،

فی البحر عن المحیط وقد قالوا انہ لایجوز لمکاتب ھاشمی لان الملک یقع للمولی من وجہ و الشبھۃ ملحقۃ بالحقیقۃ فی حقھم اھ ای ان المکاتب وان صار حرا یدا حتی یملک مایدفع الیہ لکنہ مملوک رقبۃ ففیہ شبھۃ وقوع الملک لمولاہ الھاشمی والشبھۃ معتبرۃ فی حقہ لکرامتہ بخلاف الغنی کما مر فی العامل فلذا قید بقولہ فی حق بنی ھاشم اھ[1]۔

بحر میں محیط سے ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ ہاشمی کے مکاتب کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں کیونکہ یہاں ایک لحاظ سے مولٰی کی ملکیت باقی ہوتی ہے اور یہاں شبہ ہاشمیوں کے حق میں حقیقی طور پر برقرار ہوتا ہے اھ یعنی مکاتب اگرچہ آزاد متصور ہوتا ہے حتی کہ جو کچھ اسے دیا جائے وُہ اس کا مالک بن جاتا ہے لیکن گردن کے اعتبار سے مملوک ہوتا ہے لہذا اس صورت میں اس کے ہاشمی مولٰی کی ملکیت کا شبہ ہے اور یہاں ہاشمی کی شرافت کی وجہ سے شبہ کا اعتبار ہوتا ہے بخلاف غنی کے جیسا عامل میں گزرا ہے ، اسی لیے مصنف نے حق بنی ہاشم کی قید لگائی ہے اھ (ت)

بالجملہ جب حدیث وُہ اور فقہ یہ پھر خلاف کی طرف راہ کہاں ، اب جو صاحب جواز پر فتوٰی دیں ان کا منشاء غلط ایک مقدوح و مرجوح و مجروح روایت ہے جو ابوعصمہ نوح بن ابی مریم جامع نے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حکایت کی کہ ہمارے زمانے میں بنی ہاشم کو زکوٰۃ روا ہے کہ بسبب حُرمت مالِ غنیمت سے خمس خمس ملنا تھا اب کہ وُہ نہیں ملتا زکوٰۃ نے عود کیا ۔

اقول یہ حکایت نہ روایۃً رجیح نہ درایۃً نجیح ، ہم ابھی بیان کر آئے کہ علتِ حرمت بنصِ صریح صاحب شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتصریحات متظافرہ حاملانِ شرع رحمۃ اللہ علیہم کثافتِ صدقات و نظافتِ ساداتِ یعنی بنی ہاشم ہے ، اور وہ تبدلِ زمانہ سے متبدل نہیں ہوسکتی ، اور رہا دلیل اس ضعیف قیل پر بیان میں آئی فقیر غفراللہ تعالٰی لہٗ نے اس کی کامل ناتمامی اپنے فتاوٰی یکم جمادی الاولٰی ۱۳۰۹ ہجریہ مندرجہ مجموعہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ میں بحمداللہ تعالٰی روشن بیانوں سے واضح کردی اور اسی میں اٹھارہ دلائل ساطعہ قائم کیے کہ امام اجل ابوجعفر طحاوی قدس سرہٗ کی طرف اس روایت مرجوحہ کے اخذ و اختیار کی نسبت میں بڑا دھوکا واقع ہوا

---

[1] ردالمحتار باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۰

جن میں سترہ خود کلام امام ممدوح کی شہادات سے ہیں بلکہ وُہ بلاشُبہ اسی مذہب حق و ظاہر الروایۃ کو بھذا ناخذ (ہم اسی کو لیتے ہیں۔ت) فرماتے اور معتمد و مفتی بہ ٹھہراتے ہیں، ایک سہل سی عام فہم بات یہ ہے کہ وہی امام ممدوح اپنی اسی کتاب شرح معانی الآثار کی اُسی کتاب اُسی باب، اسی بحث میں جہاں اُن سے اس ترجیح معکوس کا وقوع بتایا جاتا ہے خاص اسی بھذا ناخذ سے صاف صریح تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بنی ہاشم کے غلام تو غلام، موالی پر بھی زکوٰۃ حرام فرماتے ہیں۔ ہمارے ائمہ سے اس کا خلاف معلوم نہیں۔ سبحان اللہ جب اُن کے نزدیک خود بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ حلال تھی تو ان کے غلاموں پر حرام ماننا کیونکر معقول تھا، طرفہ یہ کہ یہیں امام طحاوی نے اس مذہب کو اختیار فرمایا ہے کہ بنی ہاشم پر نہ صرف زکوٰۃ و صدقات واجبہ بلکہ صدقہ نافلہ بھی حرام ہے۔ اور فرماتے ہیں ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی قول ہے، پھر انھیں قائل جواز ماننا کیسا سخت قول بالمحال ہے جسے اس مطلب جلیل کی تنقیح جمیل پر اطلاع مذکور ہو فتاوٰی فقیر کی طرف رجوع کرے۔ اور جب یقیناً معلوم کہ وُہ روایت شاذہ مذہب اجماعی ائمہ ثلٰثہ کے خلاف واقع اور تمام متون کا اس کے خلاف پر اجماع قاطع اور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی احادیث متواترہ اس کی دافع، اور دلیل و درایت میں بھی اُس کا حصہ محض ذاہب وضائع، اور فتوٰی امام طحاوی یقیناً جانب ظاہر الروایۃ راجع، تو اس پر فتوٰی دینا قطعاً مردود جس سے شرح مطہر جزماً مانع، کون نہیں جانتا کہ اطباق متون کی کیسی شان جلیل ہے جس کے سبب بارہا محققین نے جانب خلاف کی صریح تصحیحوں کو قبول نہ کیا کہ اس طرف تصحیح و ترجیح کا نام بھی نہ ہو، نہ کہ صراحۃً امام مجتہد نے اسی جانب پر فتوٰی دیا ہو بایں ہمہ اسے چھوڑ کر اُدھر جانا کس قدر موجب عجب شدید ہے، درمختار میں ہے:

قال فی الخانیۃ وعلیہ الفتوی لکن المتون علی الاول فعلیہا المعول[1]۔

خانیہ میں ہے کہ فتوٰی اسی پر ہے لیکن متون میں پہلا قول ہے لہذا اسی پر اعتماد ہوگا (ت)

کون نہیں جانتا کہ ہنگام اختلاف ظاہر الروایۃ ہی مرجح ہے اگرچہ دونوں مذیل بفتوٰی ہوں۔ بحرالرائق میں ہے:

اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاہر الروایۃ والرجوع الیہا[2]۔

جب تصحیح اقوال میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کی تلاش اور اس کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے (ت)

علماء فرماتے ہیں جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔ ردالمحتار کی کتاب

---

[1] درمختار | کتاب القسمۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۲۱۹
[2] بحرالرائق | باب المصرف | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۲۵۰

احیاء الموات میں ہے :

ما خالف ظاهر الرواية ليس مذهبا لاصحابنا[1]

جو ظاہر روایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہوتا۔ (ت)

پھر جبکہ خاص اسی طرف فتوٰی ہُوا اور اُس جانب کچھ نہیں تو اُدھر چلنا روشِ فقہی سے کتنا بعید ہے، کون نہیں جانتا کہ قوتِ دلیل کس قدر موجب تعویل، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں :

لا یعدل عن درایة ما وافقها روایة کما فی الغنیة شرح المنیة ورد المحتار وغیرهما۔

اس عقلی دلیل سے اعراض نہیں کیا جائے گا جو نقلی دلیل کے مطابق ہو جیسا کہ منیہ شرح غنیہ اور رد المحتار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اس تنکیر روایۃ پر نظر کیجئے اور ما نحن فیہ کی حالت دیکھئے، جب روایت کی موافقت مانع عدول تو ہی الروایۃ کا خلاف کیونکر مقبول، پھر اس طرف احادیث متواترہ ان سب کے علاوہ جن کی صحت پر ایسا یقین کہ گویا بگوش خویش کلام اقدس حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سُن رہے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے وجوہ کے بعد بھی وہ روایت قبول تو قبول، التفات کے قابل ٹھہرے۔ لاجرم ملاحظہ کیجئے کہ بکثرت علماء اصحاب متون و شروح و فتاوٰی اپنی تصانیف عظیمہ جلیلہ معتمدہ مثل قدوری[1] و ہدایہ[2] و وافی[3] و کنز[4] و وقایہ[5] و نقایہ[6] و اصلاح[7] و ملتقی[8] و بدایہ[9] و تنویر[10] و کافی[11] و شرح وقایہ[12] و ایضاح[13] و اشباہ[14] و درمختار[15] و طریقہ محمدیہ[16] و حدیقہ ندیہ[17] و خانیہ[18] و خلاصہ[19] و خزانۃ المفتین[20] و جواہر اخلاطی[21] و عالمگیری[22] وغیرہا میں اس روایت کا نام تک زبان پر نہ لائے اور طبقۃً فطبقۃً منع و تحریم کی روشن تصریحیں کرتے آئے، کیا وہ اس روایتِ شاذہ سے آگاہ نہ تھے، یقیناً تھے، مگر اسے قابلِ التفات نہ سمجھے اور بیشک وہ اسی قابل تھی۔ یہ باون[52] عبارتیں اور ستائیس[27] حدیثیں جن کی طرف فقیر نے اس تحریر میں اشارہ کیا، بحمداللہ اس وقت فقیر کے پیشِ نظر ہیں، سب کی نقل سے بخوفِ تطویل دست کشی کی۔ بالجملہ اصلاً محلِ شک و ارتیاب نہیں کہ سادات کرام و بنی ہاشم پر زکوٰۃ یقیناً حرام، نہ انھیں لینا جائز نہ دینا جائز، نہ ان کے دئے زکوٰۃ ادا ہو، تو اس میں گناہ کے سوا کچھ حاصل نہیں، اور اس کے جواز پر فتوٰی دینا محض غلط و باطل اور حیلۂ صحت بلکہ قابلیت اغماض سے عاری و عاطل، کیا معلوم نہیں کہ علمائے کرام نے ایسے فتوٰی کی نسبت کیسے سخت الفاظ ارشاد کیے ہیں۔ درمختار میں ہے :

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع[3] اهـ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

قول مرجوح پر فیصلہ و فتوٰی جہالت اور اجماع کو توڑنا ہے اھ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (ت)

---

[1] رد المحتار کتاب احیاء الموات دار احیاء التراث العربی ۵/ ۲۷۸

[2] رد المحتار دار احیاء التراث بیروت ۱/ ۳۱۲ و غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵

[3] درمختار خطبۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

رہا یہ کہ پھر اس زمانۂ پُر آشوب میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو، **اقول** بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطورِ ہدیہ ان حضراتِ علیہ کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے، وہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدِ اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا و ماوا نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وہ مال جو انھیں کے صدقے میں انھیں کی سرکار سے عطا ہُوا جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیرِ زمین جانے والے ہیں، اُن کی خوشنودی کے لیے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اُس کا ایک حصّہ صرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن اُس جواد کریم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ و التسلیم کے بھاری انعاموں، عظیم اکراموں سے مشرف ہوں۔ ابن عساکر امیر المؤمنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صنع الی اھل بیتی یدًا کافأتہ علیھا یوم القیٰمۃ[1] جو میرے اہلِ بیت میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا میں روزِ قیامت اس کا صلہ اسے عطا فرماؤں گا۔

خطیب بغدادی امیر المؤمنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صنع صنیعۃً الی احدٍ من خلف عبد المطلب فی الدنیا فعلی مکافاتہ اذا لقینی[2]۔ جو شخص اولادِ عبد المطلب میں کسی کے ساتھ دنیا میں نیکی کرے اس کا صلہ دینا مجھ پر لازم ہے جب وہ روزِ قیامت مجھ سے ملے گا۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر! قیامت کا دن، وہ قیامت کا دن، وہ سخت ضرورت سخت حاجت کا دن، اور ہم جیسے محتاج اور صلہ عطا فرمانے کو محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سا صاحب التاج، خدا جانے کیا کچھ دیں اور کیسا کچھ نہال فرمادیں، ایک نگاہِ لطف اُن کی جملہ مہاتِ دوجہاں کو بس ہے بلکہ خود یہی صلہ کروڑوں صلے سے اعلٰی و انفس ہے، جس کی طرف کلمۂ کریمہ اذا لقینی (جب وہ روزِ قیامت مجھ سے ملے گا۔ ت) اشارہ فرماتا ہے بلفظِ اذا تعبیر فرمانا بحمد اللہ روزِ قیامت وعدۂ وصال و دیدارِ محبوب ذی الجلال کا مژدہ سُناتا ہے، مسلمانو! اور کیا درکار ہے دوڑو اور اس دولت و سعادت کو لو و باللہ التوفیق اور متوسط حال والے اگر مصارف

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۳۴۱۵۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۹۵

[2] تاریخ بغداد ترجمہ ۵۲۲۱ عبد اللہ بن محمد العزاری دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۱۰۳

مستحب کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمداللہ وہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مصرفِ زکوٰۃ معتمد علیہ کو کہ اس کی بات سے نہ پھرے، مالِ زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر مالک کر دے، پھر اس سے کہے تم اپنی طرف سے فلاں سیّد کی نذر کر دو اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ تو اس فقیر کو گئی اور یہ جو سیّد نے پایا نذرانہ تھا، اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمتِ سیّد کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا، ذخیرہ و ہندیہ میں ہے:

اذا اراد ان یکفن میتا عن زکوٰۃ ماله لایجوز والحیلة ان یتصدق بها علی فقیر من اهل المیت ثم هو یکفن به فیکون له ثواب الصدقة ولاهل المیت ثواب التکفین وکذلک فی جمیع ابواب البر کعمارة المساجد وبناء القناطیر والحیلة ان یتصدق بمقدار زکوٰته علی فقیر ثم یأمره بالصرف الی هذه الوجوه فیکون للتصدق ثواب الصدقة وللفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرة[1] اھ ملخصًا۔

اگر کوئی شخص زکوٰۃ سے میّت کا کفن تیار کرنا چاہے تو جائز نہیں، ہاں یہ حیلہ کر سکتا ہے کہ خاندانِ میّت کے کسی فقیر پر صدقہ کر دے اور وہ میّت کا کفن تیار کر دے، تو ثواب مالک کے لیے صدقے کا اور اہلِ میّت کے لیے تکفین کا ثواب ہوگا، اسی طرح کا حیلہ تمام امورِ خیر مثلاً تعمیرِ مساجد اور پلوں کے بنانے میں جائز ہے کہ مالک مقدارِ زکوٰۃ کے برابر کسی فقیر کو دے دے اور اسے کہے کہ تو ان امور پر خرچ کر دے، تو ثواب صدقہ کرنے والے کے لیے صدقہ کا اور بنائے مسجد و پُل کا ثواب فقیر کو ہوگا اھ ملخصاً (ت)

اقول ویظهر لی ان ثواب تلك القرب لهما جمیعًا لان من دل علی خیر كان كفاعله وقد تواتر عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی نظائره تكامل الثواب لكل شریك فی الخیر لا تنقص الشركة من اجورهم شیئًا فهذا الذی حدانی علی الجزم بما سمعت ثم رأیت فی الدرالمختار

اقول پھر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ ان امورِ خیر کا ثواب دونوں کے لیے ہے کیونکہ جو کسی نیکی پر رہنمائی کرتا ہے اسے بھی عمل کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے، حضور علیہ السلام سے ایسے معاملات میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ کارِ خیر میں ہر شریک کو کامل ثواب ملتا ہے، شرکت سے اجرِ شرکا میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، مجھے اس پر مذکورہ دلائل کی وجہ سے جزم تھا جسے تو سُن چکا، پھر میں نے درمختار

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الحیل الفصل الثالث فی مسائل الزکوٰۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۳۹۲

حیلۃ التکفین بھا التصدق علی الفقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما[1] اھ قال الشامی ای ثواب الزکوٰۃ للمزکی وثواب التکفین للفقیر وقد یقال ان ثواب التکفین یثبت للمزکی ایضا لان الدال علی الخیر کفاعلہ وان اختلف الثواب کما وکیفا ط قلت واخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لو مرّت الصدقۃ علی یدی مائۃ لکان لھم من الاجر مثل اجر المبتدئ من غیر ان ینقص من اجرہ شیئ[2] اھ فھذا عین ما بحث وللہ الحمد۔

میں دیکھا کہ کفن کا حیلہ یہ ہے کہ پہلے مال فقیر پر صدقہ کیا جائے پھر فقیر اس سے کفن بنائے تو ثواب دونوں کے لیے ہوگا اھ۔ امام شامی نے کہا کہ زکوٰۃ کا ثواب مزکی کے لیے اور تکفین کا ثواب فقیر کے لیے ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تکفین کا ثواب مزکی کے لیے بھی ہے کیونکہ خیر پر رہنمائی کرنے والا فاعلِ خیر کی طرح ہی ہوتا ہے اگرچہ کمیت وکیفیت کے اعتبار سے ثواب مختلف ہوگا ط۔ قلت امام سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کیا کہ اگر صدقہ سو ہاتھ بھی گزرے تو اجر میں بغیر کسی کمی کے ہر ایک کو اتنا ہی اجر حاصل ہوگا جتنا پہلے کو ہے، یہ بعینہٖ وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا، وللہ الحمد (ت)

مگر اس میں دقت اتنی ہے کہ اگر اس نے نہ مانا تو اسے کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخر وہ مالک مستقل ہو چکا اسے اختیار ہے چاہے دے یا نہ دے۔ درمختار میں ہے:

الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل ھذہ الاشیاء وھل لہ ان یخالف امرہ لم ارہ والظاھر نعم[3]

حیلہ یہ ہے کہ فقیر پر صدقہ کیا جائے پھر اسے ان امور کو بجالانے کا کہا جائے، کیا وہ فقیر اس کی مخالفت کرسکتا ہے یا نہیں؟ یہ میری نظر سے نہیں گزرا، ظاہر یہی ہے کہ مخالفت کرسکتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

البحث لصاحب النھر وقال لانہ مقتضی صحۃ التملیک، قال الرحمتی والظاھر انہ لاشبھۃ فیہ لانہ ملکہ ایاہ عن زکوٰۃ مالہ وشرط

صاحبِ نہر نے بحث کی ہے اور کہا یہ مخالفت کرسکنا صحتِ تملیک کا تقاضا کرتا ہے۔ شیخ رحمتی نے فرمایا: یہی ظاہر ہے اس میں کوئی شبہہ نہیں کیونکہ اپنی زکوٰۃ کا

---

[1] درمختار — کتاب الزکوٰۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۱۳۰
[2] ردالمحتار — کتاب الزکوٰۃ — مصطفی البابی مصر — ۲/ ۱۳
[3] درمختار — باب المصرف — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۱۴۱

Dar-ul-Tehkik Arshadia

علیه شرطا فاسدا والهبة والصدقة لاتفسد بالشرط الفاسد[1]۔

مالک بنایا گیا ہے اور اس پر ایک فاسد شرط لگائی گئی ہے، اور ہبہ اور صدقہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔ (ت)

لہٰذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے نزدیک اس کا بے خلش طریقہ یہ ہے کہ مثلاً مالِ زکوٰۃ سے بیس روپے سیّد کی نذر یا مسجد میں صرف کیا چاہتا ہے کسی فقیر عاقل بالغ مصرفِ زکوٰۃ کو کوئی کپڑا مثلاً ٹوپی یا سیر سوا سیر غلہ دکھائے کہ یہ ہم تمہیں دیتے ہیں مگر مفت نہ دیں گے بیس روپے کو بیچیں گے، یہ روپے تمہیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کردو، وہ خواہ مخواہ راضی ہوجائے گا، جانے گا کہ مجھے تو یہ چیز یعنی کپڑا یا غلہ مفت ہی ہاتھ آئے گا، اب بیع شرعی کرکے بیس روپے بہ نیتِ زکوٰۃ اسے دے، جب وہ قابض ہوجائے اپنے مطالبہ ثمن میں لے لے، اول تو وہ خود ہی دے دے گا کہ سرے سے اسے ان روپوں کے اپنے پاس رہنے کی اُمید ہی نہ تھی کہ وہ گرہ سے جاتا سمجھے اسے تو صرف اس کپڑے یا غلے کی امید تھی وُہ حاصل ہے تو انکار نہ کرے گا اور کرے بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے اور دائن جب اپنے دین کی جنس سے مال مدیون پائے تو بالاتفاق بے اس کی رضامندی کے لے سکتا ہے، اب یہ روپے لے کر بطورِ خود نذرِ سیّد یا بنائے مسجد میں صرف کردے کہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔

درمختار میں ہے:

یعطی مدیونه الفقیر زکوٰته ثم یاخذها من دینه ولو امتنع المدیون مدیده واخذها لکونه ظفر بجنس حقه[2] اھ

اپنے مدیون فقیر کو زکوٰۃ دی پھر اس سے دین وصول کرے، اگر مدیون نہ دے تو اس سے چھین لے کیونکہ یہ اپنے حق کی جنس کو پاتا ہے اھ (ت)

اور فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اُس مصرفِ زکوٰۃ کے عاقل بالغ ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ اس کے ساتھ یہ غبن فاحش کی مبایعت بلاتکلف روا ہو اور کپڑے غلے کی تخصیص اس لیے کی کہ اگر کچھ پیسے بعوض روپوں کے بیچا جائیگا تو ظاہر مفادِ جامع صغیر پر تقابض البدلین شرط ہوگا وُہ یہاں حاصل نہیں اگرچہ روایت اصل پر ایک ہی جانب کا قبضہ کافی، اور اکثر علماء اسی طرف ہیں اور یہی قول منقح،

کما بیناه فی البیوع من فتاوٰنا بل حققنا فیها ان لادلالة لکلام الجامع الصغیر ایضا علی اشتراط التقابض وان ظن

جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی بیوع میں بیان بلکہ اس کی تحقیق کی ہے کہ جامع صغیر کی عبارت میں بھی تقابض کے شرط ہونے پر کوئی دلالت نہیں

---

[1] ردالمحتار باب العشر مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۹

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

العلامۃ الشامی ما ظن۔ اگرچہ علامہ شامی کا گمان کچھ ہو۔ (ت)

بہرحال اس حتی الوسع محلِ خلاف سے بچنا احسن اور زرِ زکوٰۃ پر اُس کا قبضہ کراکر اپنے مطالبے میں لینے کی قید اس لیے کہ کوئی صدقہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا کما نص علیہ العلماء (جیسا کہ علماء نے اس پر نص فرمائی ہے۔) اور یہ تو پہلے بیان میں آچکا کہ اغنیاء کثیر المال شکرِ نعمت بجا لائیں۔ ہزاروں روپے فضول خواہش یا دنیوی آسائش یا ظاہری آرائش میں اُٹھانے والے مصارفِ خیر میں ان حیلوں کی آڑ نہ لیں۔ متوسط الحال بھی ایسی ہی ضرورتوں کی غرض سے خالص خدا ہی کے کام صرف کرنے کے لیے ان طریقوں پر اقدام کریں نہ یہ کہ معاذ اللہ اُن کے ذریعہ سے ادائے زکوٰۃ کا نام کرکے روپیہ اپنے خُرد بُرد میں لائیں کہ یہ امر مقاصدِ شرع کے بالکل خلاف اور اس میں ایجابِ زکوٰۃ کی حکمتوں کا یکسر ابطال ہے تو گویا اس کا برتنا اپنے رب عزوجل کو فریب دینا ہے۔

والعیاذ باللہ رب العالمین واللہ یعلم المفسد من المصلح۔ نسألہ تعالٰی ان یصلح اعمالنا ویحسن آمالنا والحمد للہ رب العالمین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

ربّ العالمین سے پناہ چاہتے ہیں، اور اللہ تعالٰی جانتا ہے مفسد کو مصلح سے، اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ ہمارے اعمال کی اصلاح فرمائے۔ اور ہماری امیدیں بَر لائے، والحمد للہ رب العالمین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ خامسہ: زکوٰۃ کن مصارف میں دینا جائز ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب

مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند ہے جسے اپنے مال مملوک سے مقدارِ نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنا شوہر نہ اپنی عورت اگرچہ طلاق مغلظہ دے دی ہو، جب تک عدت سے باہر نہ آئے نہ وہ جو اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی اگرچہ یہ اصلی و فرعی رشتے عیاذًا باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگرچہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر مکاتب، نہ مردِ غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجتمند کہنے سے کافر و غنی پہلے ہی خارج ہو چکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا، مثلاً ہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے۔ بعض مشہورین کہ ماں کے سیدانی ہونے سے سید بن بیٹھے ہیں اور وہ باوجود تفہیم اس پر اصرار کرتے ہیں بحکم حدیثِ صحیح مستحقِ لعنتِ الٰہی

ہوتے ہیں والعیاذ باللہ وقد اوضحنا ذٰلك فی فتاوٰنا (اللہ تعالٰی بچائے، ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ ت)، اسی طرح غیر ہاشمی[1] کا آزاد شدہ بندہ اگرچہ خود اپنا ہی ہو یا آپ[2] اپنے اور اپنے اصول و فروع و زوج و زوجہ و ہاشمی کے علاوہ کسی غنی کا مکاتب یا زنِ[3] غنیہ کا نابالغ بچہ اگرچہ یتیم ہو یا اپنے بہن[4] بھائی[5]، چچا[6]، پھوپھی[7]، خالہ[8]، ماموں[9]، بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے، زکوٰۃ وصلۂ رحم یا اپنی بہو[10] یا داماد[11] یا ماں کا شوہر[12] یا باپ کی عورت[13] یا اپنے زوج[14] یا زوجہ[15] کی اولاد کہ ان سولہ[16] کو بھی دینا روا جبکہ یہ سولہ ان سولہ سے نہ ہوں از انجا کہ اُنھیں اُن سے مناسبت ہے جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں بھی عدمِ جواز کا وہم جاتا، لہذا فقیر نے انھیں بالتخصیص شمار کردیا، اور نصاب مذکور پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل، ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اسے مسکین کہتے ہیں۔ دوم مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔ سوم نصاب بھی ہو مگر حوائجِ اصلیہ میں مستغرق، جیسے مدیون۔ چہارم حوائج سے بھی فارغ ہو مگر اُس تک دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر جس کے پاس خرچ نہ رہا، تو بقدرِ ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے اس سے زیادہ اُسے لینا روا نہیں، یا وہ شخص جس کا مال دوسرے پر دَین مؤجل ہے اور ہنوز میعاد نہ آئی اب اُسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدرِ حاجت لے سکتا ہے یا وہ جس کا مدیون غائب ہے یا لے کر مُکر گیا اگرچہ یہ ثبوت رکھتا ہو کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں۔ بالجملہ مدار کار حاجتمندی بمعنی مذکور پر ہے، تو جو نصاب مزبور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پاسکتا اگرچہ غازی ہو یا حاجی یا طالبِ علم یا مفتی مگر عاملِ زکوٰۃ جسے حاکمِ اسلام نے اربابِ اموال سے تحصیلِ زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے تو بحالتِ غنا بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے اگر ہاشمی نہ ہو۔ پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطورِ اباحت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میّت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پُل، سرائے وغیرہ بنانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کے وہی حیلے ہیں جو مسئلہ رابعہ میں گزرے۔

ھذا کلہ ملخص ما استقر علیہ الامر فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار وغیرھا من معتبرات الاسفار وقد لخصناہ بتوفیق اللہ احسن تلخیص لعلہ لایوجد من غیرنا وللہ الحمد فمن شك فی شیئ من ھذا فلیراجع الاصول

یہ تمام گفتگو خلاصہ ہے اس چیز کا، جس پر تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار جیسی معتبر کتب میں استقرار ہے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم نے خوب تلخیص کردی ہے شاید ہمارے علاوہ کہیں اور اس کا وجود نہ ہو وللہ الحمد اور جس کو اس بارے میں شک ہو وہ کتبِ اصول

ع: اگر دَین معجل ہے خواہ ابتداءً یُوں کہ جو اجل مقرر ہوئی تھی گزر چکی اور مدیون غنی حاضر ہے تو یہ صورت دسترس کی ہے ۱۲ منہ (م)

التی سبینا او لم یسلم نعم لا باس ان
تورد نصوص بعض ما یکاد یخفی او یستغرب
ففی رد المحتار شمل الولاد بالنکاح و
السفاح فلا یدفع الی ولده من الزنا الخ[1]
وفیه تحت قوله او بینهما زوجیة ولو
مبانة ای فی العدة ولو بثلاث
نهر عن معراج الدرایة اھ[1] وفیه تحت
قوله ولا الی مملوک المزکی ولو مکاتبا و
کذا مملوک من بینه وبینه قرابة ولاد او
زوجیة لما قال فی البحر والفتح اھ[2]
وفیه تحت قوله بخلاف طفل الغنیة
فیجوز ای ولو لم یکن له اب بحر عن
القنیة اھ[3] وفیه وقید بالولاد لجوازه لبقیة
الاقارب کالاخوة والاعمام والاخوال الفقراء
بل هم اولی لانه صلة وصدقة
ویجوز دفعها لزوجة ابیه وابنه
وزوج ابنته تاتارخانیة اھ[4] ملخصا
وفیه من کتاب الوصایا تحت قوله
الشرف من الام فقط غیر معتبر
یؤیده قول الهندیة عن البدائع
فثبت ان الحسب والنسب یختص
بالاب دون الام فلا تحرم علیه
الزکوة ولا یکون کفوا للهاشمیة
ولا یدخل فی الوقف علی
الاشراف[5] اھ وفیه قال

کی طرف رجوع کرکے دیکھ لے خواہ ہم نے ان کا نام لیا ہو
یا نہ۔ ہاں اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر بعض ایسی
تصریحات کا ذکر کریں جو مخفی ہیں یا غریب۔ ردالمحتار میں
ہے ولد نکاح اور زنا دونوں کی اولاد کو شامل ہے۔ پس
اس کے ولدِ زنا کو نہیں دیا جائے گا الخ اور اسی میں
"او بینھما زوجیۃ" کے تحت ہے کہ اگرچہ وہ تین
طلاقوں کی عدت بسر کر رہی ہو۔ نہر میں معراج الدرایہ سے
ہے اھ اور اسی میں ماتن کے قول "ولا الی مملوک المزکی"
کے تحت ہے کہ اگرچہ مکاتب ہو اور اسی طرح وہ مملوک
کہ مالک اور اس کے درمیان اولاد یا زوجیت کا رشتہ
ہو، جیسا کہ بحر اور فتح میں ہے۔ اور اسی میں ماتن کے
قول "بخلاف طفل الغنیۃ فیجوز" کے تحت ہے
تو جائز ہے یعنی اگر اس کا والد نہ ہو۔ بحر میں قنیہ سے
ہے اھ۔ اور اسی میں ہے کہ اولاد کے ساتھ مقید اس
لیے کیا ہے کہ بقیہ اقارب کے لیے جائز ہے مثلاً فقراء
بھائی، چچے اور خالو بلکہ اولیٰ ہیں کیونکہ یہاں صلہ اور
صدقہ دونوں ہیں زکوٰۃ سوتیلی والدہ، سوتیلے بھائی اور
اپنے داماد کو دی جاسکتی ہے تاتارخانیہ اھ ملخصاً اور
اسی کے کتاب الوصایا میں ماتن کے قول "الشرف
من الام فقط غیر معتبر" کے تحت ہے کہ اس
کی تائید ہندیہ میں بدائع کے حوالے سے یہ قول کرتا ہے
کہ یہ بات ثابت ہے کہ حسب ونسب والد کے ساتھ
مخصوص ہے نہ کہ ماں کے ساتھ اھ اور اس پر زکوٰۃ
حرام نہ ہوگی اور نہ وہ ہاشمی کے لیے کفو ہوگا اور وہ وقف
علی الاشراف میں داخل نہ ہوگا اھ اور اسی میں ہے

۱؎ ۲؎ ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۹
۳؎ " " " " "
۴؎ ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۷۲
۵؎ " باب الوصیۃ للاقارب وغیرہم " ۵/۴۷۴

فی الفتح ایضا ولا یحل له ای لابن السبیل ان یاخذ اکثر من حاجته قلت وهذا بخلاف الفقیر فانه یحل له ان یاخذ اکثر من حاجته وبهذا فارق ابن السبیل کما افاده فی الذخیرة[1] اھ وفیه تحت قوله ومنه ما لو کان ماله مؤجلا ای اذا احتاج الی النفقة یجوز له اخذ الزکوٰة قدر کفایته الی حلول الاجل نهر عن الخانیة[2] اھ وفیه تحت قوله او علی غائب ای ولو کان حالا لعدم تمکنه من اخذه[3] ط اھ وفیه تحت قوله او معسر او جاحد ولو بینة فی الاصح فیجوز له الاخذ فی اصح الاقاویل لانه بمنزلة ابن السبیل ولو موسرا معترفا لا یجوز کما فی الخانیة[4] اھ وفیه تحت قوله وفی سبیل الله وهو منقطع الغزاة وقیل الحاج وقیل طلبة العلم وفسره فی البدائع بجمیع القرب قال فی النهر والخلاف لفظی للاتفاق علی ان الاصناف کلهم سوی العامل یعطون بشرط الفقر[5] الخ وفیه تحت قوله وبهذا التعلیل یقوی ما نسب للواقعات من ان طالب العلم یجوز له اخذ الزکوٰة ولو غنیا اذا فرغ نفسه

کہ فتح میں بھی کہا اور مسافر کے لیے جائز نہیں کہ وہ حاجت سے زائد لے قلت اور یہ بخلاف فقیر ہے کہ اس کے لیے حاجت سے زائد لینا حلال ہے اور اسی سے فقیر اور مسافر میں فرق ہوگیا جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اھ اور اس میں ماتن کے قول "منه ما لو کان ماله مؤجلا" (اس کا مال مؤخر ہو جائے) کے تحت ہے یعنی جب نفقہ کا محتاج ہو تو آنے کی مدت تک بقدر کفایت زکوٰۃ کا حصول جائز ہے، یہ نہر میں خانیہ سے ہے اھ اور اسی میں ماتن کے قول "او علی غائب" (یا غائب پر) کے تحت ہے یعنی اگرچہ یہ اس حال پر ہو کہ جس سے لینے پر قدرت نہ رکھتا ہو، ط اھ۔ اور اسی میں ماتن کے قول "او معسر او جاحد الخ" یا وہ تنگدست یا منکر ہو، اگرچہ اصح قول کے مطابق اس کے لیے گواہ ہوں تو اس کے لیے اصح قول کے مطابق زکوٰۃ لینا درست ہے، کیونکہ یہ مسافر کی مانند ہے اور اگر امیر و معترف ہے تو اب جائز نہیں کما فی الخانیہ اھ اور اسی میں ماتن کے قول "فی سبیل اللہ" کے تحت ہے یعنی وہ غازی جس کا خرچہ و اسلحہ ختم ہوگیا ہے بعض کے نزدیک اس سے حاجی اور بعض کے نزدیک طالبعلم مراد ہے، اور بدائع میں اس سے تمام امور خیر کے مسافر بیان کئے ہیں، نہر میں ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے عامل کے سوا تمام اصناف کو بشرط فقر زکوٰۃ دی جا سکتی ہے الخ اور اسی میں ماتن کے قول "وبهذا التعلیل یقوی الخ" اس تعلیل کے ساتھ وہ قوی ہوگیا جو واقعات کی طرف منسوب ہے کہ طالب علم کے لیے زکوٰۃ کا لینا جائز ہے

۱؎ و ۲؎ و ۳؎ و ۴؎ و ۵؎ رد المحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۷

لافادۃ العلم واستفادتہ ، ھذا الفرع مخالف لاطلاقھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ احد ط قلت وھو کذلک والاوجہ تقییدہ بالفقیر[1] الٰی اٰخر ما افادہ علیہ رحمۃ الجواد واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

اگرچہ وُہ غنی ہو بشرطیکہ اس نے افادہ واستفادہ علم کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہو، یہ جزئیہ فقہاء کے اس اطلاق کے خلاف ہے جو انھوں نے کہا کہ اگر غنی ہے تو زکوٰۃ لینا حرام ہے اور اس پر کسی نے اعتماد نہیں کیا اھ ط۔ قلت وہ اسی طرح ہے، اور اوجہ یہ ہے کہ اسے بھی فقر کے ساتھ مقید کر دیا جائے جیسا کہ انھوں نے افادہ کیا ان پر رحمتِ جواد ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ سادسہ: میرے کل زیور طلائی سادے اور جڑاؤ میں سونے کا وزن، موتی اور نگینے اور لاکھ وغیرہ منہا کرکے اڑسٹھ تولے ہے اور زیور نقرئی تین سو اکتالیس تولے، اس صورت میں جو سالانہ زکوٰۃ ہو اس سے مشرح مطلع کیا جاؤں اور ایک دستور العمل ایسا ہو کہ آئندہ جس قدر اور بنے اس پر زکوٰۃ بڑھالی جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

سونے چاندی کا نصاب اور ان پر واجب وعفو کا حساب مسئلہ ثانیہ میں مشرحاً گزرا اور زیادت و نقصان کے تمام احکام بتفصیل تمام مسئلہ ثانیہ وثالثہ میں مبین ہوئے۔ وہ دونوں مسئلے بجائے خود دستور العمل تھے مگر اختلاط زروسیم یعنی دونوں مال کا مالک ہونا البتہ بعض نئے احکام کا موجب ہوتا ہے جن کا بیان اوپر نہ گزرا لہذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ بعض ضوابط ضروریہ اور ذکر کرکے دستور العمل کی تکمیل کرتا اور حضرت مستفتی دامت برکاتہ، ودیگر ناظرین منتفعین سے اس کے صلے میں دعائے عفو وعافیتِ دارین کی تمنا رکھتا ہے **فاقول** وباللہ التوفیق مال جب بشرائط معلومہ نصاب کو پہنچے تو بنفسہٖ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب اور ایراث حکم میں مستقل ہے جسے اپنے حکم میں دوسری شئی کی حاجت نہیں اور نصاب کے بعد جو خمس نصاب ہو وُہ بھی نصاب وسبب ایجاب ہے، ہاں جو خمس سے کم ہے وُہ اپنی نوع میں مثلاً چاندی یا سونا، سونے میں موجب زکوٰۃ نہیں ہوسکتا کہ شرع مطہر نے اسے عفو رکھا ہے کما قدمنا فی المسئلۃ الثانیۃ (جیسا کہ ہم مسئلہ ثانیہ میں پیچھے بیان کر آئے ہیں۔ت) اسی طرح جو راساً نصاب کو نہیں پہنچا بنفسہٖ سببیتِ وجوب کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر جب اس نوع کے ساتھ دوسری نوع بھی ہو یعنی زروسیم مختلط ہوں تو از انجا کہ وجہ سببیت ثمنیت تھی اور وُہ دونوں میں یکساں، تو اس حیثیت سے

---

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/۶۵

ذہب وفضہ جنس واحد ہیں لہٰذا ہمارے نزدیک جو ایک نوع میں موجب زکوٰۃ نہ ہوسکتا تھا خواہ اس لیے کہ نصاب ہی نہ تھا یا اس لیے کہ نصاب کے بعد عفو تھا اس مقدار کو دوسری نوع سے تقویم کرکے ملادیں گے کہ شاید اب اس کا موجب زکوٰۃ ہونا ظاہر ہو، پس اگر اس ضم سے کچھ مقدار زکوٰۃ بڑھے گی (بایں معنی کہ نوع ثانی قبل ضم نصاب نہ تھی اس کے ملنے سے نصاب ہوگئی یا اگلی نصاب پر نصاب خمس کی تکمیل ہوگئی) تو اسی قدر زکوٰۃ بڑھادیں گے اور اب اگر کچھ عفو بچا تو وہ حقیقۃً عفو ہوگا ورنہ کچھ نہیں اور اگر ضم کے بعد بھی کوئی مقدار زکوٰۃ زائد نہ ہو تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ اصلاً موجب زکوٰۃ نہ تھا۔ ہدایہ میں ہے:

تضم قیمة العروض الی الذهب والفضة حتی یتم النصاب ویضم الذهب الی الفضة للمجانسة من حیث الثمنیة ومن هذا الوجه صار سبباً ثم یضم بالقیمة عند ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه۔[1]

سامان کی قیمت کو سونے اور چاندی کی قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا تاکہ نصاب مکمل ہوجائے اور ثمن کی بنا پر ہم جنس ہونے کی وجہ سے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا اور اسی وجہ سے یہ سبب وجوب ہوگا پھر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قیمت کے لحاظ سے ملایا جائے گا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

النقدان یضم احدهما الی الاٰخر فی تکمیل النصاب عندنا۔[2]

ہمارے نزدیک تکمیل نصاب کے لیے دونوں نقود (سونے وچاندی) کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

یضم الذهب الی الفضة بالقیمة فیکمل به النصاب لان الکل جنس واحد۔[3]

سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائیگا تاکہ نصاب مکمل ہوجائے کیونکہ یہ آپس میں ہم جنس ہیں۔ (ت)

خلاصہ میں ہے:

اصل هذا ان الذهب یضم الی فضة

ہمارے نزدیک تکمیل نصاب کی خاطر سونے کو چاندی

---

[1] الہدایہ — کتاب الزکوٰۃ — فصل فی العروض — مکتبۃ العربیہ کراچی — ۱/۱۷۶
[2] فتح القدیر — فصل فی العروض — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر — ۲/۱۶۹
[3] تبیین الحقائق — باب زکوٰۃ المال — مطبعۃ کبرٰی امیریہ بولاق مصر — ۱/۲۸۱

في تكميل النصاب عندنا وهذا استحسان[1] | کے ساتھ ملانا یہ اصل ہے اور یہ بطور استحسان ہے۔ (ت)

نقایہ میں ہے :

يضم الذهب الى الفضة بالقيمة لاتمام النصاب[2] | اتمامِ نصاب کے لیے سونے کو قیمت کے اعتبار سے چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا۔ (ت)

ان عباراتِ ائمہ و تقریرِ فقیر سے واضح ہُوا کہ یہ ملانا صرف بغرضِ تکمیلِ نصاب ہوتا ہے نصاب کہ بنفسہ کامل ہے محتاجِ ضم نہیں کہ خود سببِ مستقل ہے تو شرع مطہر اُس کے سبب ایک مقدار واجب فرما چکی اب نصاب کو دوسری چیز سے ضم کرنے کا ایجاب تکمیلِ نصاب نہیں تعطیلِ نصاب ہے، یا یُوں کہئے کہ اس ضم سے مقصود تحصیلِ واجب ہے نہ تبدیلِ واجب۔ ولہذا ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ذہب و فضہ کا کامل نصابوں میں حکمِ ضم نہیں بلکہ نصابِ ذہب پر جُدا زکوٰۃ واجب ہوگی اور نصابِ فضہ پر جُدا۔ ہاں اگر کوئی یہ چاہے کہ میں ایک ہی نوع زکوٰۃ میں دوں اور وہ قیمت لگا کر ضم کرلے تو ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ بھی نہیں، مگر اس وقت واجب ہوگا کہ تقویم ایسی کرے جس میں فقراء کا نفع زائد ہو مثلاً ایک نقد زیادہ رائج ہے دوسرا کم تو جو رائج تر ہے اُس سے تقویم کرے۔ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی بدائع میں فرماتے ہیں :

اذا كان كل واحد منهما نصابا تاما ولم يكن زائدا عليه لا يجب الضم بل ينبغى ان يؤدى من كل واحد منهما زكوته ولو ضم احدهما الى الأخر حتى يؤدى كله من الفضة او من الذهب فلا باس به عندنا ولكن يجب ان يكون التقويم بما هو انفع للفقراء رواجا والا فيؤدى من كل واحد منهما ربع عشره[3] | اگر دونوں (سونا و چاندی) کا نصاب بلا اضافہ کیے کامل ہے تو اب ایک دوسرے کے ساتھ ملانا واجب نہیں بلکہ ہر ایک کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور اگر کسی نے ملا کر سونے چاندی میں سے ہر ایک کی زکوٰۃ ادا کردی تو بھی ہمارے ہاں کوئی حرج نہیں لیکن یہ لازم ہے کہ قیمت اس کے ساتھ لگائی جائے جو رواجاً فقراء کے لیے زیادہ نافع ہو، ورنہ ہر ایک میں سے چالیسواں حصہ ادا کردیا جائے۔ (ت)

اس نفیس تقریر سے یہ **فائدے** حاصل ہُوئے کہ اگر ایک جانب نصاب تام بلا عفو ہے اور دوسری

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی | الفصل الخامس فی زکوٰۃ المال | مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ | ۱/۲۳۴

[2] النقایہ | کتاب الزکوٰۃ | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ص ۳۴

[3] بدائع الصنائع | فصل واما مقدار الواجب فیہ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۲/۲۰

طرف نصاب سے کم، تو یہاں یہی طریقہ ضم متعین ہوگا کہ اس غیر نصاب کو اُس نصاب سے تقویم کرکے ملا دیں، یہ نہ ہوگا کہ نصاب کو تقویم کرکے غیر نصاب سے ملائیں۔ مثلاً چاندی نصاب ہے اور سونا غیر نصاب، تو اس سونے کو چاندی کریں گے چاندی کو سونا نہ کریں گے، اور عکس ہے تو عکس۔ اسی طرح اگر ایک طرف نصاب تام بلاعفو ہے اور دوسری جانب نصاب مع عفو، تو صرف اس عفو کو اُس نصاب سے ملائیں گے نصاب مع العفو مجموع کو ضم نہ کریں گے کہ محتاج تکمیل صرف وہی عفو ہے نہ کہ نصاب، مثلاً ۹ یا ۱۲ تولے سونا اور ۶۰ تولے چاندی ہے جس میں ۶ تولے چاندی عفو ہے تو صرف اس ۶ تولے چاندی کو سونا کریں گے نہ کہ مجموع ۶۰ تولے کو۔ یوں ہی اگر دونوں جانب عفو ہے تو صرف ان عفووں کو باہم ملائیں گے، دونوں طرف کے نصاب الگ نکال لیں گے۔ ہندیہ میں ہے:

و فضل من النصابین اقل من اربعة مثاقیل واقل من اربعین درھما فانه تضم احدی الزیادتین الی الاخری حتی یتم اربعین درھما او اربعة مثاقیل ذھب کذا فی المضمرات[1]	اگر دونوں نصابوں پر چار مثقال سے کم اور چالیس دراہم سے کم اضافی ہوا تو ایک اضافہ کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے حتی کہ چالیس درہم کامل ہوجائیں یا چار مثقال سونا مکمل ہوجائے، جیسا کہ مضمرات میں ہے۔ (ت)

پس ثابت ہوا کہ قابلِ ضم وہی ہے جو خود نصاب نہیں، پھر اگر یہ قابلیت ایک ہی طرف ہے جب تو طریقۂ ضم آپ ہی متعین ہوگا کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ت) اور دونوں جانب ہے تو البتہ یہ امر غور طلب ہوگا کہ اب ان میں کس کو کس سے تقویم کریں کہ دونوں صلاحیتِ ضم رکھتے ہیں، اس میں کثرت وقلت کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی کہ خواہی نخواہی قلیل ہی کو کثیر سے ضم کریں کثیر کو نہ کریں کہ جب نصابیت نہیں تو قلیل وکثیر دونوں احتیاجِ تکمیل میں یکساں۔ ردالمحتار میں ہے:

لا فرق بین ضم الاقل الی الاکثر وعکسه[2]	اقل کو اکثر کے ساتھ ملانا یا اس کے برعکس کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ (ت)

بلکہ حکم یہ ہوگا کہ جو تقویم فقیروں کے لیے انفع ہو اسے اختیار کریں، اگر سونے کو چاندی کرنے میں فقراء کا نفع زیادہ ہے تو وہی طریقہ برتیں، اور چاندی کو سونا ٹھہراتے ہیں تو یہی ٹھہرائیں، اور دونوں صورتیں نفع میں یکساں تو مزکی کو اختیار۔ درمختار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی زکوٰۃ الذہب والفضۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۷۹

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۵

لو بلغ باحدهما نصابا دون الاخر تعین ما یبلغ بہ ولو بلغ باحدهما نصابا وخمسا وبالاخر اقل قومہ بالانفع للفقیر سراج[1] اھ وفی رد المحتار عن النهر عن الفتح یتعین ما یبلغ نصابا دون ما لا یبلغ فان بلغ بکل منهما واحدهما اروج تعین التقویم بالاروج[2] اھ وفی شرح النقایة للقهستانی وان تساویا فالمالک مخیر[3]۔

اگر ایک کو ضم کرنے سے نصاب بنتا ہے دوسرے سے نہیں، تو جس سے بنتا ہو وہ ضم کے لیے متعین ہوگا، اور اگر ایک کو ضم کرنے سے نصاب اور خمس بنتا ہے اور دوسرے سے کم بنتا ہے تو جو فقیر کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو اس سے قیمت بنائے، سراج اھ۔ اور ردالمحتار میں بحوالہ نہر، فتح سے منقول ہے کہ نصاب کو پہنچانے والے کی قیمت ضم کے لیے متعین ہوگی دوسرے کی نہیں، اگر دونوں سے نصاب پورا ہو جبکہ ایک رواج سے زائد ہے تو جو زیادہ رائج ہو اس کے ساتھ قیمت لگانا متعین ہوگا اھ اور شرح نقایہ للقہستانی میں ہے، اگر دونوں برابر ہوں تو مالک کو اختیار ہے۔ (ت)

جب یہ امور ممہد ہو لیے تمام صورتوں کے احکام معلوم ہو گئے کہ اختلاط زر وسیم انھی تین حال میں منحصر:

(۱) یا کسی کی طرف کوئی مقدار قابلِ ضم نہ ہوگی اور یہ جب ہی ہوگا کہ دونوں نصاب ہوں اور دونوں بے عفو، اس کا حکم اول ہی گزرا کہ ہر ایک کی زکوٰۃ جدا واجب ہوگی اور ایک ہی نوع سے دینا چاہے تو نفع فقراء کا لحاظ واجب۔

(۲) یا صرف ایک طرف مقدار قابلِ ضم ہوگی، یہ یُوں ہی ہوگا کہ ایک نصاب بلا عفو ہو اور دوسرا راسًا غیر نصاب یا نصاب مع العفو، تو اس کی دو صورتیں نکلیں، ان کا ضابطہ بھی معلوم ہو چکا کہ خاص اسی قابلِ ضم کو دوسرے کے ساتھ تقویم کریں گے۔

(۳) یا دونوں طرف مقدار قابلِ ضم ہو یہ اس طرح ہوگا کہ دونوں نصاب سے کم یا ایک کم اور ایک میں عفو یا دونوں میں عفو، تو اس کی تین صورتیں ہوئیں، ضابطہ بھی مذکور ہُوا کہ جو مقداریں دونوں طرف قابلِ ضم ہیں اُنھی کو آپس میں ملائیں گے اور نفعِ فقراء کا لحاظ رکھیں گے یعنی جس تقویم میں زیادہ مالیت واجب الادا ہو وہی اختیار کریں گے، اور مالیت برابر ہو تو جس کا رواج زیادہ ہے اسے لیں گے اور قدر رواج سب یکساں ہوں تو اختیار دیں گے۔

---

[1] درمختار	باب زکوٰۃ المال	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۳۵
[2] ردالمحتار	"	مصطفی البابی مصر	۲/۳۴
[3] جامع الرموز	کتاب الزکوٰۃ	مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران	۲/۳۱۲

جدول اختلاطات زر و سیم مع اشارۂ احکام

ذہب ← / فضہ ↓	نصاب سے کم	نصاب عـــہ بے عفو	نصاب با عفو
نصاب سے کم	دونوں کا کل بہ لحاظ انفع ملائیں	چاندی کو سونا کریں	سونے کا عفو اور چاندی کا کل بلحاظ انفع ملائیں
نصاب بے عفو	سونے کو چاندی کریں	ہر ایک کی جُدا زکوٰۃ اور ملانا ہی ہو تو لحاظ انفع	سونے کے عفو کو چاندی کریں
نصاب با عفو	چاندی کا عفو اور سونے کا کل بہ لحاظ انفع ملائیں	چاندی کے عفو کو سونا کریں	دونوں عفووں کو بلحاظ انفع ملائیں

ہرچند اس بیان وجدول نے مسئلہ واضح کردیا، مگر بوجہ پیچیدگی عام مسلمان کے لیے ان دونوں ضابطوں میں ایضاحِ امثلہ کی بیشک ضرورت۔ لہذا فقیر غفرلہ المولی القدیر پھر جانبِ تفصیل عنان گردانی کرتاہے، وباللہ التوفیق۔

شرح ضابطۂ اُولٰی: چاندی سونے میں جب ایک نصاب تام بلا عفو ہو اور دُوسرا نصاب نہ ہو خواہ کُلّاً یعنی سرے سے نصاب تک پہنچا ہی نہ ہو یا بعضًا یعنی نصاب کے بعد جو عفو بچا ہو، اس غیر نصاب کُل یا بعض کو اُس دوسرے کے ساتھ ضم کریں گے۔ مثلاً چاندی کل یا بعض غیر نصاب ہے تو اُسے بلحاظ قیمت سونا قرار دے کر سونے کے نصاب سے ملائیں گے اور سونا کل یا بعض غیر نصاب ہو تو اسے چاندی سے تو ضابطۂ اولٰی کی دو صورتیں بعد بسط چار ہوگئیں جیسا کہ مطالعۂ جدول سے واضح ہوا ہوگا۔ اب ہم بعد ضم دیکھیں گے کچھ زکوٰۃ بڑھی یا نہیں، اگر اب بھی نہ بڑھی تو وُہ غیر نصاب عفو مطلق تھا کہ کسی طرح موجبِ زکوٰۃ نہ ہُوا اور بڑھی تو یا کچھ عفو نہ بچے گا اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ یہ غیر نصاب جو اپنی نوع میں نا موجبِ زکوٰۃ نظر آتا تھا حقیقۃً بالکل موجب تھا یا قدرے بچے گا تو ثابت ہوگا کہ واقع میں اسی قدر عفو ہے باقی پر زکوٰۃ، تو یہ تین حالتیں ہوئیں جنھیں ان چار میں ضرب دیے سے بارہ صُورتیں نکلیں، اب ہر ایک کی مثال لیجئے اور حساب کے لیے فرض کیجئے کہ تولہ بھر سونے کی قیمت چوبیس تولے چاندی ہے

عـــہ اس مثلث نہ خانۂ احکام کا قطب وُہ صورت ہے جس میں اصلاً حکم ضم نہیں اور اس کے چاروں خانہ آتشی بادی آبی خاکی متعلق ضابطۂ اولٰی، باقی چاروں خانے کہ چاروں گوشوں پر ہیں متعلق ضابطۂ ثانیہ ۱۲ منہ (م)

اور تولہ بھر چاندی کا چار رتی سونا۔

مثال ۱: ایک شخص کے پاس ۵۲½ تولے چاندی اور سوا پانچ ماشے سونا ہے تو چاندی نصاب تام بلا عفو ہے اور سونا کُلّاً غیر نصاب۔ لہٰذا سونے کو چاندی کرکے چاندی سے ملایا یعنی بلحاظِ قیمت دیکھا کہ اس قدر سونے کی کتنی چاندی ہوئی، نرخِ مذکور پر یہ سونا دس تولے چاندی کا ہوا تو گویا وہ ۵۲½ تولے چاندی ۵ ماشے سونے کا مالک نہیں بلکہ ۶۲ تولے چاندی کا مالک ہے، یہ چاندی کا ایک نصابِ کامل اور ایک نصابِ خمس پورا ہوا جس پر عفو کچھ نہ بچا۔

مثال ۲: اسی صورت میں ۱۰ ماشے سونا فرض کیجئے جس کے ۲۰ تولے چاندی، تو گویا ۷۲½ تولے چاندی کا مالک ہے جس میں وہی نصاب کامل و نصابِ خمس نکل کر ۹ تولے چاندی عفو بچی کہ خمس نصاب سے کم ہے یہ عفو حقیقی ہوا یعنی سونے کو چاندی سے ضم نہ کرتے تو بوجہ عدم نصاب بالکل عفو نظر آتا تھا ضم کرنے سے کھل گیا کہ اس میں صرف ۴½ ماشے سونا جس کی ۹ تولے چاندی ہوئی عفو ہے باقی پر زکوٰۃ واجب۔

مثال ۳: صورتِ مسطورہ میں صرف ۵ ماشے سونا مانیے تو کُل عفو رہے گا کہ اس کی دس ہی تولے چاندی ہوئی اور مال جب تک نصاب کے بعد خمس نصاب تک نہ پہنچے عفو ہے اور چاندی میں خمس ۱۰ تولے ہے۔

مثال ۴: اسی صورت میں ۷ تولے ۱۱ ماشے سونا لیجئے تو ۷½ تولے سونا تو نصابِ کامل ہے اُس کے بعد ۵ ماشے عفو نظر آتا ہے، بس اسی قدر کو چاندی سے ضم کریں گے، اور ایک نصابِ زر اور ایک نصاب و خمس نصابِ سیم کی زکوٰۃ واجب مانیں گے جس میں عفو کچھ نہ رہا۔

مثال ۵: اسی صورت میں ۸ تولے ۴ ماشے سونا ہے تو بدلیل مثال دوم وہی ۴ ماشے سونا عفو رہے گا۔

مثال ۶: ۷ تولے ۱۱ ماشے سونا ہے تو نصابِ زر سے جتنا زیادہ ہے یعنی ۵ ماشے، سب عفو مطلق ہے کہ بعد ضم بھی زکوٰۃ نہیں بڑھاتا۔

ان چھ مثالوں میں چاندی نصاب تام بلا عفو تھی اور سونا قابلِ ضم، پہلی تین میں راساً نصاب سے کم اور پچھلی تین میں عفو۔ اب وہ مثال لیجئے کہ سونا نصابِ تام بلا عفو اور چاندی انہی دو وجہوں پر قابلِ ضم۔

مثال ۷: ایک شخص ۷½ تولے سونا ۳۶ تولے چاندی کا مالک ہے تو چاندی کُلّاً غیر نصاب ہے۔ اسے بحسابِ قیمت سونا کیا تو ۱½ تولے ہوا، یہ پورا نصاب خمس ہے تو سونے کا ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس ہوا اور عفو اصلاً نہ بچا۔

مثال ۸: اسی صورت میں چاندی ۵۰ تولے رکھئے تو ۱۴ تولے عفو رہے گی کہ ۳۶ تولے کا نصاب خمس ہو گیا ۱۴ تولے کا ۷ ماشے سونا ہوا کہ خمس سے کم ہے وہ عفو رہا۔

مثال ۹: اسی صورت میں چاندی ۳۰ تولے فرض کیجئے تو کل عفو ہے کہ اس کا سوا ہی تولے سونا ہوا تو بعد

ضم بھی کچھ نہ بڑھا۔

مثال ۱۰ و ۱۱ و ۱۲: اب ہمیں وہ تین صورتیں بیان کرنا ہیں جن میں سونا نصاب بے عفو ہو اور چاندی نصاب باعفو، جس کے عفو کو سونے سے ملائیں تو جب بھی عفو رہے یا کچھ زکوٰۃ واجب کرے، کچھ عفو بچے یا بالکل زکوٰۃ واجب کرے۔ یہ پچھلی دو صورتیں بظاہر محال عادی نظر آتی ہیں کہ نصاب میں عفو وہی ہوتا ہے جو خمس سے کم ہو اور نصاب کے بعد زکوٰۃ وہی واجب کرتا ہے جو خمس تک پہنچے، تو ان صورتوں کا وقوع جب ہی ہوگا کہ ۱۰ تولے سے کم چاندی ۱½ تولے سونے کے برابر یا اس سے بھی زائد ہو مگر یہ عادۃً ہو نہیں سکتا بلکہ ۱۰ تولے یا اس سے کچھ زیادہ چاندی تولہ بھر سونے کی قیمت کو بھی نہیں پہنچتی، تو بادی النظر میں یہاں صرف صورتِ اولیٰ ہی قابلِ وقوع ہے یعنی عفو سیم کو نصابِ ذہب سے جب ملائیے عفو ہی رہے مگر ایک نفیس و شریف و جلیل و لطیف قاعدہ معلوم کرنے سے کھل جائیگا کہ دو صورتیں بھی قابلِ وقوع ہیں، اس باعظمت قاعدے کا جاننا نہ صرف انہی صورتوں کے لیے ضرور ہے بلکہ جو اہلِ زکوٰۃ زر و سیم دونوں قسم کے مالک ہوں اور عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں ان سب پر اس کا علم فرض عین ہے کہ اس کے نہ جاننے میں بہت غلطیاں اور خرابی و زیاں واقع ہوتے ہیں لوگ اکثر سمجھ لیتے ہیں ہم زکوٰۃ ادا کر چکے اور واقع میں مطالبہ باقی ہوتا ہے وہ ضروری **قاعدہ عظیم الفائدہ واجب الحفظ** یہ ہے کہ اگرچہ زر و سیم کی قیمت و وزن باہم اکثر مختلف ہوتے ہیں خصوصاً جبکہ صنعت کا قدم درمیان ہو، مثلاً ممکن کہ تولہ بھر سونے کا کوئی گہنا صناعی کے سبب پچاس روپے کی قیمت کا ہو اگرچہ ایک تولہ سونے کی قیمت پچیس ہی روپیہ ہو یا تولہ بھر چاندی کی چیز چار روپے کو بکے اگرچہ چاندی ایک ہی روپیہ تولہ ہو، دہلی کی سوداکاریوں میں یہ بات خوب واضح ہوتی ہے، یونہی جب مال ہارتا ہو تو قیمت وزن گھٹ جاتی ہے کمالا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔) مگر شرع مطہر نے سونے چاندی میں وجوباً و اداءً ہر طرح وزن ہی کا اعتبار فرمایا ہے نہ کہ قیمت کا، مثلاً کسی کے پاس صرف ۷ تولے سونے کا گہنا ہے کہ قیمت میں ۷½ تولے سونے تک پہنچتا ہے یا اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کہ وزن ۷½ تولے کا نہ ہوا، یا ۷½ تولے ہارتے سونے کا مال ہے کہ قیمت ۷ تولے سے بھی کم ہے اس پر زکوٰۃ واجب کہ وزن نصاب پورا ہے یا ایک شخص کے پاس ۷½ تولے سونے کا زیور ہے جو بوجہ صنعت ۱۵ تولے سونے کی قیمت ہے اس پر صرف ۲ ماشے سونا واجب ہوگا کہ وزن کا چالیسواں حصہ ہے نہ چار ماشہ کہ قیمت کا ہے، یا ۱۵ تولے وزن کی چیز قیمت میں ۷½ تولے کے برابر ہے، تو باعتبارِ وزن ۴ ماشہ سونا دینا ہوگا، بہ لحاظِ قیمت ۲ ماشہ دینے سے نہ چھوٹے گا، یہ تو وجوباً اعتبارِ وزن ہوا اور اداءً کی یہ صورت کہ مثلاً اس پر ۲ ماشے سونا واجب الادا تھا اس نے اس کے بدلے ۲ ماشے نفیس کندن کہ قیمت میں ۲ ماشے سونے کے برابر بلکہ زائد تھا ادا کیا تو عہدہ برآنہ ہوا کہ واجب کا وزن پورا نہ ہوا اور ہارتا سونا ۲ ماشے دے دیا جو قیمت میں ۲ ہی ماشے کے برابر تھا تو ادا ہو گیا اگرچہ اس میں کراہت ہے لقولہ عزوجل:

لستم بأخذیه الاان تغمضوا فیه[1]۔ | تمھیں بٹّا تو نہ لوگے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو۔ (ت)

درمختار میں ہے :

المعتبر وزنھما اداءً و وجوبًا لاقیمتھما[2]۔ | ادا، و وجوب میں ان دونوں کے وزن کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

یعنی یعتبر فی الوجوب ان یبلغ وزنھما نصابا نھر حتی لوکان لہ ابریق ذھب او فضۃ وزنہ عشرۃ مثاقیل او مائۃ درھم وقیمتہ لصیاغتہ عشرون او مائتان لم یجب فیہ شئ اجماعًا قہستانی[3]۔ | وجوب کے لیے یہ معتبر ہے کہ وُہ وزن کے اعتبار سے نصاب کو پہنچیں، نہر۔ اگر کسی کے پاس سونے یا چاندی کا کُوزہ تھا جس کا وزن دس مثقال یا سَو درہم کے برابر تھا اور زیور کی صورت میں اس کی قیمت بیس یا دو سَو ہے تو اب اس میں بالاجماع کوئی شئی لازم نہیں، قہستانی۔ (ت)

اسی میں ہے :

لولہ ابریق فضۃ وزنہ مائۃ وقیمتہ بصیاغتہ مائتان لاتجب الزکوٰۃ باعتبار القیمۃ لان الجودۃ والصنعۃ فی اموال الربا لاقیمۃ لھا عند انفرادھا ولاعند المقابلۃ بجنسھا[4]۔ | اگر کسی کے پاس چاندی کا ایسا کُوزہ تھا جس کا وزن سو درہم ہو اور اس کی زیور کی صورت میں قیمت دو سو درہم ہے تو اب قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ اموالِ ربا میں جودت اور صنعت ہوتی ہے اس کی انفرادی صورت میں کوئی قیمت نہیں ہوتی نہ ہی اس وقت کوئی قیمت ہے جب کسی ہمجنس کے مقابل ہو۔ (ت)

اُسی میں ہے :

یعتبران یکون المؤدی قدر الواجب وزنا | جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے اس کا وزن کے اعتبار سے

---

[1] القرآن ۲/۲۶۷

[2] درمختار باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۴

[3] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۳۳

[4] " " " ۲/۳۷

فلوادی عن خمسة جیدة خمسة زیوفا قیمتھا اربعة جیدة جاز وکرہ ولواربعة قیمتھا خمسة ردیئة لم یجز[1] اھ ملخصا۔

نصاب ہونا ضروری ہے، اگر کسی نے پانچ جید دراہم کی جگہ پانچ زیوف سے ادا کی جن کی قیمت چار جید دراہم تھی تو جائز مگر مکروہ ہے، اور اگر ان چار کی قیمت پانچ ردی درہم تھے تو جائز ہی نہیں اھ ملخصاً (ت)

مگر جب ان میں ایک کو دوسرے سے تقویم کریں مثلاً چاندی کو سونے یا سونے کو چاندی سے جیسا کہ ضم کی صورتوں میں دیکھتے آئے تو بالاجماع قیمت کا اعتبار ہے کہ جودت وصنعت خلاف جنس کے مقابلہ میں بالاجماع قیمت پاتا ہے، مثلاً بارہ تولے چاندی کا وزنی گہنا ہے اور قیمت میں ۲۴ تولے چاندی کے برابر، اب اس کی قیمت سونے سے لگائے گا تو بہ لحاظ قیمت پورا تولہ بھر سونا ہوگا، نہ بلحاظ وزن چھ ماشہ۔ ولہذا جس کے پاس ۲۰۰ تولے چاندی کا زیور چار سو روپے کا قیمتی ہو جس پر ۵ تولے چاندی واجب، وہ اگر ۵ تولے چاندی دے دے گا ادا ہوجائے گا اور ۵ تولے چاندی کی قیمت کا سونا دے گا ہرگز ادا نہ ہوگا بلکہ ۱۰ تولے چاندی کا قیمتی سونا دینا آئے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

عدم اعتبار الجودة انما ھو عند المقابلة بالجنس اما عند المقابلة بخلافه فتعتبر اتفاقا[2]

جید ہونے کا اعتبار جنس کے ساتھ مقابلہ کے وقت نہیں کیا جاتا اور اگر غیر جنس سے مقابلہ ہو تو بالاتفاق معتبر ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لوکان له ابریق فضة وزنه مائتان وقیمته ثلث مائة ان أدی خمسة من عینه اومن غیرہ جاز واجمعوا انه لو أدی من خلاف جنسه اعتبرت القیمة حتی لو أدی من الذھب ما تبلغ قیمته خمسة دراھم من غیر الاناء لم یجز فی قولھم لتقوم الجودة عند المقابلة

اگر کسی کے پاس چاندی کا کوزہ ہے دو سو درہم وزنی اور قیمت تین سو درہم ہے تو اب وہ اس میں سے یا اس کے غیر سے پانچ درہم ادا کرتا ہے تو جائز ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ اگر اس کی مخالف جنس سے ادا کرے تو قیمت کا اعتبار ہوگا حتی کہ اگر اتنا سونا جس کی قیمت پانچ درہم ہو غیر مصنوع سے ادا کیا تو ان کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ مقابلہ کے وقت جودت

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/۳۳

[2] " " " ۲/۳۴

بخلاف الجنس کذا فی المعراج نہر[1] اھ کی قیمت کا اعتبار ہوتا ہے بخلاف جنس کے، معراج میں اسی طرح ہے، نہر اھ ملخصاً (ت)

ملخصاً۔

جب یہ قاعدہ معلوم ہولیا تو اب ان دو صورتوں کی مثالیں بھی واضح ہوگئیں، مثلاً ایک شخص کے پاس ۲ ½ تولے سونا اور ۱۹ ½ تولے چاندی کا گہنا ہے جو بوجہ صناعی چوگنی قیمت کا ہے اس میں ۵۲ ½ تولے چاندی تو نصاب کامل ہوگئیں ۹ تولے بھی وہ عفو نظر آتی ہے اسے بلحاظ قیمت سونے سے ملایا تو یہ ۹ تولے بسبب صنعت ۳۶ تولے کی قیمت میں ہے جس کا ۱ ½ تولے سونا ہُوا کہ خمس نصاب زر ہے تو ایک نصاب سیم اور ایک نصاب وخمس نصاب زر کی زکوٰۃ واجب ہُوئی اور عفو کچھ نہ بچا اور اسی صورت میں ۶۲ تولے چاندی ہے تو ماشہ بھر سونا کہ اس ۹ ماشے چاندی کی قیمت ہُوا عفو رہے گا کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

شرح ضابطہ ثانیہ : ملاحظہ جدول سے یہ بھی کھلا ہوگا کہ دونوں جانب مقدار قابل ضم ہونے کی تین صورتیں بھی عندالبسط چار ہوگئیں یعنی چاندی سونا دونوں غیر نصاب یا دونوں نصاب مع العفو یا چاندی غیر نصاب اور سونے میں عفو یا سونا غیر نصاب اور چاندی میں عفو۔ پھر ہر صورت چھ حال سے خالی نہیں،

(۱) یہ کہ بعد ضم بھی اصلاً زکوٰۃ نہ پڑے یعنی خواہ قابل ضم چاندی کو سونا کیجئے یا قابل ضم سونے کو چاندی کسی طرح یہ مقدار موجب زکوٰۃ نہ ہو، اس صورت میں وہ عفو حقیقی رہے گا، مثلاً ایک شخص ۲۰ تولے چاندی اور ایک تولے سونے کا مالک ہے، چاندی کو سونا کیجئے تو کل سونا ایک تولہ ۱۰ ماشے ہو، اور سونے کو چاندی، تو کل چاندی ۴۴ تولے، نہ اتنا سونا موجب زکوٰۃ نہ اتنی چاندی۔

(۲) سونے کو چاندی کیجئے تو نصاب بنے اور چاندی کو سونا کیجئے تو نہ بنے، مثلاً ۱۰ تولے چاندی ۵ تولے سونا ہے، سونے کو چاندی کیا تو کل چاندی ۱۲۰ تولے ہوئی کہ دو نصاب کامل اور دو نصاب خمس، اور ۴ تولے عفو ہے، اور چاندی کو سونا کیا تو کل ۵ تولے ۵ ماشے سونا ہُوا کہ نصاب تک بھی نہ پہنچا، لہذا سب کو چاندی ہی ٹھہرائیں گے۔

(۳) اس کا عکس کہ چاندی کو سونا کرنے سے نصاب بنے اور سونے کو چاندی کرنے سے نہ بنے، مثلاً ۶ تولے ۱ ماشے سونا اور ۵۰ تولے چاندی ہے، ۷ ½ تولے سونا تو نصاب کامل ہو کر الگ ہوگیا، بچا ۱ ½ ماشہ سونا، اُدھر وہ عفو ہے اور اِدھر ۵۰ تولے چاندی یہ بے نصاب ہے، انھیں دونوں کا باہم میل ہونا ہے، اب اگر ماشے بھر سونے کو چاندی کرتے ہیں تو کل چاندی ۵۲ تولے آتی ہے، یہ نصاب بھی نہ ہُوئی اور چاندی

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/۳۳

کو سونا کرتے ہیں تو یہ کُل سونا ۲ تولے ۲ ماشے ہوتا ہے کہ ۱½ تولہ نصاب خمس ہو کر موجبِ زکوٰۃ ہوگا اور باقی ۸ ماشے عفو رہے گا۔

(۴) دونوں سے نصاب بنے مگر چاندی فقراء کے لیے انفع ہو، مثلاً ۲ تولے سونا ۴۲ تولے چاندی کہ سونا کیجیے تو ۸ تولے ۹ ماشے ہُوا، ۷½ تولے پر زکوٰۃ اور ۱ تولہ عفو، تو صرف ۲ ماشے سونا دینا ہوگا جس کی قیمت ۴½ تولے چاندی، اور چاندی کیجیے تو دو سو دس ۲۱۰ تولے ہُوئی کہ پُورے چار نصاب بلا عفو ہے جس پر ۵ تولے چاندی واجب، تو چاندی کرنے میں فقراء کو ۹ ماشے چاندی زیادہ ملے گی۔

(۵) سونا انفع ہو، جیسے ۲ تولے سونا ۸۴ تولے چاندی کہ چاندی کیجیے تو چار نصاب کامل کے بعد ۹ تولے عفو رہے گی اور صرف ۵ تولے چاندی دینا ہوگی جس کی قیمت ۲ ماشے ۵ سُرخ سونا، اور سونا کیجیے تو پُورا ۱۵ تولے ہوا، ایک نصابِ کامل اور ایک نصابِ خمس بلا عفو ہے جس پر ۲ ماشے ۵ ۳/۵ سُرخ واجب، تو سونا کرنے میں فقراء کو ۳/۵ سُرخ زیادہ جائے گا۔

(۶) دونوں یکساں ہوں، مثلاً فرض کیجیے تولہ بھر سونے کی قیمت ۲۱ تولے چاندی ہے اور یہ شخص ۴۲ تولے چاندی ۵۰ تولے سونے کا مالک ہے اگر چاندی کو سونا کرتے ہیں تو ۷½ تولے یعنی ایک نصاب کامل ہوا جس پر ۳½ ماشے سونا قیمتی ۳ تولے ۱۱ ماشے ۲ سرخ چاندی کا واجب ہوا، اور سونے کو چاندی کیجیے تو ۱۵۷ تولے ۶ ماشے چاندی یعنی تین نصاب کامل ہُوئی جس پر ۳ تولے ۱۱ ماشے ۲ سُرخ چاندی قیمتی ۲ ماشہ سونے کی واجب ہُوئی، ہر طرح حاصل ایک ہی رہتا ہے اس صورت میں مزکی کو اختیار رہو گا کہ دونوں میں جس سے چاہے تقویم کرے بشرطیکہ دونوں رواج یکساں ہوں ورنہ رائج تر متعین ہوگا۔

اس ضابطہ کی چار صورتوں میں ان چھ حالتوں کو ضرب دیجیے تو چوبیس ۲۴ ہوتی ہیں جس کے امثلہ کی پُوری تفصیل موجبِ تطویل، اور جبکہ ہم ہر صورت کی ایک مثال لکھ چکے، وضوحِ مسئلہ بحمد اللہ اپنے منتہی کو پہنچا جس کے بعد زیادہ اطالت کی حاجت نہیں، اب بحمد اللہ یہ دستور العمل کامل و مکمل ہوگیا کہ عالم میں کوئی اختلاطِ زر و سیم ان ۴۰ صورتوں سے خارج نہیں ہو سکتا۔ ایک صورت دونوں جانب کمال نصاب بلا عفو کی اور ۱۲ صورتیں ضابطۂ اُولیٰ، اور ۲۴ ضابطۂ ثانیہ کی، اور دو صورتیں کہ صرف چاندی کا مالک ہو یا صرف سونے کا، ان کے احکام مسئلۂ ثانیہ میں واضح ہو چکے، انتالیس ۳۹ ہوئیں۔ چالیسویں صورت کہ سونا چاندی کچھ نہ رکھتا ہو اس کا حکم خود واضح۔ اب یہ مسائل بحمد اللہ تعالیٰ تمام صور کے بیان احکام کو کافی و وافی ہوگئے انھیں سے آئندہ کی زیادت و نقصان کے احکام نکل آئیں گے کہ آخر بڑھ کر انھیں سینتیس ۳۷ صورتوں میں سے ایک میں رہے گا، غایت یہ کہ تبدیل صورت ہوجائے، مثلاً پہلے جو مال تھا ضابطۂ اولیٰ کی صورت یکم پر تھا، اب بڑھ کر ضابطۂ ثانیہ یا اولیٰ کی دوم یا اول الصور پر ہو گیا،

وعلیٰ ھذا القیاس، یوں ہی گھٹ کر ۳۶ صورتوں سے باہر نہ جائے گا تو کوئی حکم ایسا نہیں جسے یہ مسائل نہ بتائیں، زیادت ونقصان میں کہاں زکوٰۃ گھٹے بڑھے گی کہاں نہیں، یہ مسئلہ ثانیہ وثالثہ سے دیکھ لیجئے، امید کرتا ہوں یہ شرح ایضاح بحول الفتاح اسی تحریر فقیر کا حصۂ خاصہ ہو، والحمد للہ رب العالمین۔

اب **صورت جزئیہ مسئول عنہا کا حکم** نکالنا کتنی بات ہے، ۴۰ تولے ۲ ماشے سونا اور ۱۴۳ تولے چاندی، اول ہر ایک کے نصاب الگ نکال لیجئے، ۴۰ تولے ۲ ماشے میں سونے کے ۹ نصاب کامل ہوئے جن پر ایک تولہ ۸ ماشے ۲ سرخ سونا واجب ہوا اور ۸ ماشے فاضل بچا کہ اپنے نصاب میں عفو ہے، ۱۴۳ تولے میں ۱۰۵ تولے کے چھ نصاب کامل جن پر ۲ تولے ۱۰ ماشے ۴ سرخ چاندی واجب، اور ۲۱ تولے کے ۲ نصاب خمس ہوئے جن پر ۶ ماشے ۲ ۲/۵ سرخ واجب، ان کا مجموعہ ۳ تولے ۴ ماشے ۶ ۲/۵ سرخ سرخ ہوا اور مال میں ۵ تولے چاندی فاضل رہی کہ اپنی نوع میں عفو ہے، اب یہ صورت ضابطۂ ثانیہ کی ہوئی کہ دونوں جانب ایک رقم عفو قابل ضم موجود ہے، اس میں ان چھ حالتوں کی جانچ باقی رہی، چاندی کو سونا کیجئے تو ۵ تولے چاندی عام نرخ سے اس قابل نہیں کہ ۱۰ ماشے سونے کی قیمت پہنچے جو اس ۸ ماشہ سے مل کر خمس نصاب ذہب یعنی ۱۰ تولے سونا بنائے اور زکوٰۃ واجب کرے۔ اب سونے کو چاندی کیجئے تو آج کل کے بھاؤ[عہ] سے ۸ ماشے سونا بیشک ۱۶ تولے چاندی سے کچھ زیادہ ہی کا ہے تو وہ اس ۵ تولے چاندی سے مل کر ۲۱ تولے چاندی مع ماشے زائد ہوگا، یہ دو نصاب خمس اور حاصل ہوئے جن پر ۶ ماشے ۲ ۲/۵ سرخ چاندی، اور بڑھی تو یونہی کریں گے اور ۴۰ تولے سونے ۱۴۳ تولے چاندی پر ایک تولہ ۸ ماشے ۲ سرخ سونا، اور ۸ تولے ۱۱ ماشے ۴/۵ سرخ چاندی واجب مانیں گے ۴/۵ سرخ کے معنی رتی کے چار خمس، جسے تقریباً ایک رتی چاندی کہیے، یہ عام بھاؤ کے اعتبار سے ہے، اور اگر بوجہ صنعت نفس مال کے کوئی قیمت بڑھ گئی ہو تو اس کا حساب مالک کو معلوم ہوگا اس کے لیے وہ قاعدہ ضروریہ واجب الحفظ ہم اوپر لکھ ہی چکے۔ غرض للہ الحمد والمنۃ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے بتوفیق المولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ ان مسائل کو ایسی شرح وتکمیل و بسط جلیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شاید ان کی نظیر کتب میں نہ ملے، امید کرتا ہوں جو شخص ان سب کو بغور کامل خوب سمجھ لے وہ ہزارہا مسائل زکوٰۃ کا حکم ایسا بیان کرے گا جیسے کوئی عالم محقق بیان کرے، جن مسائل میں فقیر نے آج کل کے بعض مدعیان فقاہت وتحدیث بلکہ امامت فنون فقہ وحدیث کو فاحش غلطیاں کرتے دیکھا، کم علم آدمی جو ان تحریرات فقیر کو بنہج احسن سمجھ لے گا ان شاء اللہ تعالیٰ بے تکلف صحیح وصاف ادا کرے گا، مگر

عہ نرخ باختلاف امصار بھی مختلف ہوتا ہے، اگر وہاں ۸ ماشے سونا ۱۶ تولے چاندی سے کم کا ہو تو نصب فضہ میں ایک خمس کم ہو جائیگا جس کے سبب مقدار واجب سے ۳ ماشہ ۱ ۱/۵ سرخ چاندی گھٹا دیں گے ۱۲ منہ (م)

حاشا ہرگز اردو عبارت جان کر اپنی فہم پر قناعت نہ کرے کہ نازک یا غور طلب بات جو آدمی کی اپنی استعداد سے ورا ہو کسی زبان میں کیسی ہی واضح ادا کی جائے پھر نازک ہے بلکہ واجب کہ کسی عالم کامل سے ان مسائل کو پڑھ لے تاکہ بحول اللہ تعالٰی اس باب میں خود عالم کامل ہو جائے۔

واستغفر اللّٰه العظیم الاعظم مما جری علی لسان القلم وصلی اللّٰه تعالٰی علیہ سیدنا و مولانا محمد النبی الاکرم وصحبه وبارك وسلم واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

قلم سے جو نکل گیا اس پر عظیم و اعظم اللہ تعالٰی سے معافی طلب کرتا ہوں۔ اللہ تعالٰی کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے آقا و مولٰی حضرت محمد نبی اکرم پر اور آپ کے آل و اصحاب پر، برکتیں اور سلام بھی۔ اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے، اور اسی کا علم کامل اتم اور مستحکم ہے۔ (ت)

مسئلہ سابقہ: صحیح تعداد زکوٰۃ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے جو ہر سال مقدار واجب سے کم زکوٰۃ میں دیا گیا ہے وہ محسوب زکوٰۃ ہوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بیشک محسوب ہوا کہ ادائے زکوٰۃ کی نیت ضرور ہے مقدار واجب کا صحیح معلوم ہونا شرائط صحت سے نہیں، غایت یہ کہ ایک جزء واجب کے ادا میں تاخیر ہوئی اس سے مذہب راجح پر گناہ سہی زکوٰۃ مؤدّی کی نفی صحت تو نہیں والامر بین غنی عن التبیین (معاملہ واضح ہے مزید وضاحت کا محتاج نہیں۔ ت) پس ہر سال جتنا زکوٰۃ میں دیا وہ قطعاً ادا ہوا اور جو باقی رہتا گیا وہ اس پر دین ہوا حتی کہ اگر کسی نصاب سے معارض ہو جائے گا تو اُسی قدر مقدار واجب گھٹ جائے گی۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ دین عبد (یعنی بندوں میں جس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو اگرچہ دین حقیقۃً اللہ عزوجل کا ہو، جیسے دین زکوٰۃ جس کا حق مطالبہ بادشاہِ اسلام اعز اللہ نصرہ کو ہے) انسان کے حوائج اصلیہ سے ہے ایسا دین جس قدر ہوگا اتنا مال مشغول بحالت اصلیہ قرار دے کر کالعدم ٹھہرے گا اور باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگر بقدر نصاب ہو، مثلاً ہزار روپے پر حولان حول ہوا اور اس پر پانسو قرض ہیں تو پانسو پر زکوٰۃ آئے گی اور ساڑھے نوسو دین ہے تو اصلاً نہیں کہ باقی قدر نصاب سے کم ہے۔ درمختار میں ہے:

لا زکوٰۃ علی مدیون للعبد بقدر دینه فیزکی الزائد ان بلغ نصاباً۔[1]

بندہ کے قرضدار پر قرض کی مقدار پر زکوٰۃ نہیں، ہاں اگر قرض سے زائد نصاب کو پہنچ جائے تو پھر اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

اُسی میں ہے :

فارغ عن دین لہ مطالب من جہۃ العباد سواء کان للہ تعالٰی کزکوٰۃ وخراج او للعبدؑ الخ۔

اس دین سے فارغ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہے خواہ وُہ اللہ کے لیے ہو مثلاً زکوٰۃ و خراج یا بندے کے لیے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

المطالب ھنا السلطان تقدیراً لان الطلب لہ فی زکوٰۃ السوائم وکذا فی غیرھا لم یبطل حقہ عن الاخذؑ اھ ملخصاً و ایضاحہ فیہ۔

یہاں مطالبہ کرنے والا سلطان کو تسلیم کیا جائیگا کیونکہ چار پایوں کی زکوٰۃ وہی طلب کرسکتا ہے اور اس طرح ان کے علاوہ میں اس کے لیے اخذ زکوٰۃ کا حق باطل نہیں ہوگا اھ ملخصاً اور اس کی وضاحت اس میں ہے (ت)

یونہی دوسو[۲۴۰] چالیس درم شرعی کہ ایک نصاب کامل و ایک خمس ہے (دوسو درم کی ۵۶ تولے چاندی ہوئی اور چالیس کی ۱۰ تولے) ان پرچھ درم شرعی زکوٰۃ کے واجب، اگر مالک جہلاً یا سہواً یا عمداً ہر سال پانچ درم دیتا گیا[ع] تو سال اول ایک درم زکوٰۃ کا اس پر دین رہا دوسرے سال وُہ گویا دوسو[۲۳۹] انتالیس ہی درم کی جمع رکھتا ہے کہ ایک درہم مشغول بدین ہے تو نصاب خمس کہ دوسو کے بعد چالیس کامل تھا جاتا رہا اور اس سال صرف دوسو[۲۰۰] درہم[۱] کی زکوٰۃ یعنی پانچ ہی واجب ہُوئے، بس وُہ جب تک ایک درم مذکور ادا نہ کرے یا سال تمام پر اس کی حاجت سے فارغ ایک درم اور جمع نہ ہو جائے جب تک اس پر یہی پانچ درم واجب ہوا کریں گے البتہ ادائے دین زکوٰۃ کی تاخیر سے گنہ گار ہوگا اور یہ گناہ اصرار کے بعد کبیرہ ہو جائیگا والعیاذ باللہ تعالٰی، اور اگر صورت مذکورہ میں فرض کیجیے کہ وُہ ہر سال ایک ہی درم دیتا رہا تو سال اول اس پر پانچ درم زکوٰۃ کے دین رہے، سال دوم میں گویا صرف دوسو[۲۳۵] پینتیس جمع ہیں اس سال وہی پانچ ہُوئے اور دیا ایک ہی، تو اب چار اور قرض ہو کر نو درم دین ہو گئے تیسرے سال تیرہ[۱۳]، چوتھے سال سترہ[۱۷]، یونہی ہر سال دین زکوٰۃ میں چار چار بڑھتے جائیں گے اور واجب وہی پانچ پانچ

ع یعنی اپنی آمدنی سے دیتا رہا اور جمع اُسی قدر قائم رہی نہ کم ہُوئی نہ زائد ۱۲ منہ (م)

لہ درمختار	کتاب الزکوٰۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۲۹
لہ ردالمحتار	"	مصطفی البابی مصر	۲/۵

9 فرض نکلے سب فوراً فوراً ادا کردینی ہوگی اور اب تک جو ادا میں تاخیر کی بہت زاری کے ساتھ اُس سے توبہ فرض ہے اور آئندہ ہر سال تمام پر فوراً ادا کی جائے۔ یہ اگلے تین برسوں میں اس کے سال تمام ہونے کے دن سونے کا بھاؤ دریافت کرنے میں دقت ہو تو احتیاطاً زیادہ سے زیادہ نرخ لگالے کہ زکوٰۃ کچھ رہ نہ جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۹ از درو ضلع نینی تال مرسلہ عبداللہ صاحب دکاندار ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ پورا نصاب کتنا ہوتا ہے جیسا کہ علی خطبہ کے اندر تحریر کرچکے ہیں وہ ٹھیک ہے اُن کا قول یہ ہے کہ ساڑھے سات تولے سونا ہو یا ساڑھے باون تولے چاندی ہو، دونوں میں سے ایک چیز ہو وہ اہلِ زکوٰۃ اہلِ نصاب ہوگیا علمائے دین کو غور کرنا چاہیے کہ ساڑھے باون تولے چاندی ہے اور گھر میں چار چھ آدمی کھانے والے اور خرچ کرنے والے ہیں تو وہ شخص اہلِ نصاب اہلِ زکوٰۃ ہوگیا، دوسری گزارش یہ ہے کہ مالا بدمنہ میں لکھا ہوا ہے کہ کارروائی سے زیادہ ہو، سال بھر اُس پر گزر جائے، یعنی حاجت سے زائد ہو تو جس قدر ایک شخص کے پاس پچاس روپے کا کپڑا تجارت کا ہے اور اس سے اس کی اوقات بسری ہوتی ہے ساٹھ روپیہ کا زیور ہر وقت کے پہننے کا ہے اور اسّی روپے اس کے پاس نقد ہیں اور گھر میں کھانے کو کل ایک مہینے کا ہے اور پچانوے روپے مہر عورت کا ہے یعنی قرضدار ہے وہ مال نصاب کا ہوگیا یا نہیں، حضور! ہم لوگوں کا آپ پر یقین کامل ہے جب تک کوئی حکم حضور کے یہاں سے نہ ملے گا ہم کچھ نہیں کرسکتے اور ایک تحریر پیشتر حضور کی خدمت میں روانہ کرچکا ہوں اس کا کوئی جواب نہیں ملا، حضور کو غور کرنا چاہیے، یہاں پر حضور مولوی کبھی کچھ بتاتے ہیں کبھی کچھ۔ شریعت کے اندر رخنہ بازی ہے ہم لوگوں کا یقین آپ پر ہے آپ جیسا لکھیں گے ویسا ہم مانیں گے آپ کے خلاف نہیں کرسکتے، ایک مسئلہ کو چار جگہ دریافت کرو علیحدہ علیحدہ راہ ہوگی اس کی کیا وجہ ہے، رائے کا اتفاق کیوں نہیں ہے ہم لوگوں کو بہت پریشانی ہوتی ہے کوئی مطلب ٹھیک نہیں ہم لوگوں پر عنایت فرمائیے اور دلی مراد پوری کیجئے۔

الجواب

فی الواقع سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے اور چاندی کا ساڑھے باون تولے ہے ان میں سے جو اُس کے پاس ہو اور سال پورا اس پر گزر جائے اور کھانے پہننے مکان وغیرہ ضروریات سے بچے اور قرض اسے نصاب سے کم نہ کرشے تو اُس پر زکوٰۃ فرض ہے اگرچہ پہننے کا زیور ہو زیور پہننا کوئی حاجتِ اصلیہ نہیں، گھر میں جو آدمی کھانے والے ہوں اس کا لحاظ شریعتِ مطہرہ نے پہلے ہی فرمالیا، سال بھر کے کھانے پینے پہننے تمام مصارف سے جو بچا اور سال بھر رہا اُسی کا تو چالیسواں حصہ فرض ہوا ہے اور وہ بھی اس لیے کہ تمھیں آخرت میں بھی عذاب سے نجات ملے جس سے آدمی تمام جہان دے کر چھوٹے کو غنیمت سمجھے اور دنیا میں تمہارے مال میں ترقی ہو برکت ہو یہ خیال کرنا کہ زکوٰۃ سے مال گھٹے گا نرا ضعفِ ایمان ہے مولیٰ تعالیٰ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ زکوٰۃ کو ترقی و افزونی دیتا رہے جسے وہ بڑھائے وہ کیونکر گھٹ سکتا ہے۔ یہ

خیال کر اس وقت اگر سو روپیہ میں سے ڈھائی روپے حکم ماننے میں اُٹھا دیں گے تو آئندہ بال بچے کیا کھائیں گے، محض شیطانی وسوسہ ہے۔ زکوٰۃ سے اگر برکت بھی نہ ملتی تو ڈھائی روپیہ سو میں سے کم ہو جاتا رزق نہ چھینتا، آئندہ سال اگر مال بڑھ گیا کہ سال بھر کا بال بچوں سب کا خرچ ہوا اور وہ روپیہ بدستور رکھے رہے جب تو اس وسوسہ کا جھوٹ ہونا علانیہ ظاہر ہو جائے گا اور اگر اُن میں سے کھانے پینے کی حاجت پڑی یہاں تک کہ نصاب سے کم رہ گیا تو اب آپ سے کوئی زکوٰۃ نہ مانگے گا مگر بال بچوں کی فکر اگلے سال کے لیے کیا ہوگی، وہ جو جمع تھے کھانے پینے میں اُٹھ گئے اور اب زکوٰۃ بھی نہیں جس کے سر الزام دھرو، آگے کیونکر جیو گے، ایسی کمزوریاں شیطان سکھاتا ہے، عورت کا مہر جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوتا ہے اور عمر بھر ادا کا خیال تک نہیں آتا اُسے زکوٰۃ نہ دینے کا حیلہ نہ بنانا چاہیے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۴۴ برس ہوئے جو میں ۱۳ تولے ۶ ماشے سونے اور عہ بھر چاندی کی مالک ہوئی، چاندی نو دس برس تک بدستور رہی، گیارھویں سال خرچ ہو گئی، اور سونا دو برس تک اُسی قدر رہ کر تیسرے سال پانچ تولہ خرچ ہو گیا کہ سال تمام میں صرف ۸ تولے ۶ ماشے تھا پانچویں سال ڈھائی تولہ اور خرچ ہوا کہ سال تمام میں صرف ۶ تولہ تھا اور وہی بیالیس برس تک رہا، پھر وہ بھی اپنی دختر کو ہبہ کر دیا، جن برسوں تک وہ چاندی میرے پاس تھی بلکہ اُس کے بعد بھی سونے کا بھاؤ عــہ تولہ رہا اور چاندی روپیہ کی روپیہ بھر، اس صورت میں مجھ پر زکوٰۃ کس قدر واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ظاہر ہے کہ:

سالِ اوّل میں سونا بقدرِ نصاب بلکہ زائد ہوا اور چاندی نصاب تک بھی نہ پہنچی تو اُسی کے سونے سے قیمتاً ضم کریں گے اُس وقت کے نرخ سے عہ کا ۳ تولہ ۱ ماشہ ۴ سرخ سونا ہوا تو گویا اُس سال ۱۶ تولے ۷ ماشہ ۴ سرخ سونا تھا جس میں ۱۵ تولے دو نصاب کامل ہیں اُن پر واجب ۴ ماشہ ۴ سرخ سونا اور ڈیڑھ تولہ نصاب خمس ہے جس پر واجب ۳ ۳/۵ سرخ۔ کل واجب ۴ ماشے ۷ ۳/۵ سرخ، باقی ایک ماشہ ۴ سرخ عفو رہا۔

سالِ دوم بعد اخراجِ دینِ زکوٰۃ گویا ۱۶ تولے ۲ ماشہ ۴ ۲/۵ سرخ سونا تھا جس میں دو نصاب کامل کا واجب ۴ ماشہ ۴ سرخ، باقی ایک تولہ ۲ ماشہ ۴ ۱/۵ سرخ عفو، مجموع واجبین ۹ ماشہ ۳ ۳/۵ سرخ۔

سالِ سوم صرف ۸ تولے ۶ ماشے سونا تھا کہ بعد ضم فضہ ۱۱ تولے ۷ ماشے ۴ سرخ ہوا اس سے مجموع واجبین منہا کیا تو ۱۰ تولے ۱ ماشہ ۲/۵ سرخ سونا بچا کہ ایک نصاب کامل ہے واجب ۲ ماشہ ۲ سرخ اور دو نصاب خمس واجب ۷ ۱/۵ سرخ، کل واجب ۳ ماشہ ۱ ۱/۵ سرخ، باقی ۱۰ تولے سے جو زائد تھا عفو ہوا۔ کل واجبات ایک تولہ ۴ ۴/۵ سرخ۔

سال چہارم بھی اُتنا ہی سونا یعنی ۱۱ تولے ۷ ماشے ۴ سرخ تھا بعد اخراج واجبات ۱۰ تولے ۶ ماشہ ۱/۵ سرخ بچا کہ اس پر بھی وہی نصاب کامل و دو نصاب خمس کا ۳ ماشہ ۱ ۱/۵ سرخ واجب ہوا، زیادہ کی رتیاں عفو ہیں، کل واجبات ایک تولہ ۳ ماشہ ۶ سرخ۔

سال پنجم صرف ۱۰ تولے سونا تھا کہ بعد اخراج واجبات ۹ تولہ ۸ ماشہ ۲ سرخ رہا، یہ بھی نصاب نہیں اور اُدھر چاندی بھی نصاب نہیں، اب اگر سونے کو چاندی کرتے ہیں تو اس کی قیمت عہ ہو کر مالِ عہ کی چاندی ٹھہرتی ہے جس میں دو نصاب کامل عہ، ایک نصاب خمس لہ ۳ ر ۲ ۲/۵ پائی، کل ما عہ ۳ ر ۲ ۲/۵ پائی، باقی ۱۲ ر ۹ ۳/۵ پائی عفو، اور اگر چاندی کو سونا کرتے ہیں تو عہ کا ۳ تولے ۱ ماشہ ۴ سرخ سونا مل کر کل سونا تولہ ۹ ماشہ ۶ سرخ قرار پاتا ہے جس میں صرف ایک نصاب کامل، باقی ۳ ماشے ۶ سرخ سونا معاف رہے گا۔ ظاہر ہے کہ عصہ اُس عفو سے کہیں زیادہ ہے تو اس صورت میں نفعِ فقراء چاندی ہی کرنے میں ہے لہٰذا وہی کریں گے اور ۲ تولہ ۱۰ ماشہ ۵ ۱/۵ سرخ چاندی واجب مانیں گے۔

سال ششم سونا وہی ۹ تولہ ۸ ماشہ ۲ سرخ ہے مگر چاندی بوجہ دین سالِ پنجم گھٹ گئی عہ کی چاندی کا وزن ۴۹ تولے ۱۰ ماشے ۴ سرخ ہے جس سے واجب سالِ پنجم گھٹا کر ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶ ۴/۵ سرخ چاندی بچی۔ کل کو چاندی کرتے ہیں تو سونے کے عہ روپیہ کے ۷۰ تولے ۳ ماشے ۶ سرخ چاندی مل کر کل چاندی ۱۱۴ تولے ۳ ماشے ۴ ۴/۵ سرخ ہوتی ہے جس میں ۱۰۵ تولے کے صرف دو نصاب کامل۔ باقی ۹ تولے ۳ ماشے ۴ ۴/۵ سرخ عفو رہے گی، اور کل کو سونا کرتے ہیں تو ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶ ۴/۵ سرخ چاندی کا سونا ۶ تولے ۱۱ ماشے ۱ ۱۳/۲۵ سرخ ملا کر کل سونا ۱۶ تولے ۷ ماشے ۳ ۱۳/۲۵ سرخ ہوا جس میں ۱۶ ۱/۲ تولے نصاب کامل اور صرف ایک ماشہ ۳ ۱۳/۲۵ سرخ عفو بچا، پُر ظاہر ہے کہ یہ عفو عفوِ سیم سے بہت کم ہے لہٰذا اس سال سونا ہی کریں گے اور ۲ ماشہ ۲ سرخ طلا واجب مانیں گے، کل واجباتِ ذہب ایک تولہ ۶ ماشہ، فضہ ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵ ۱/۵ سرخ۔

سال ہفتم چاندی تو وہی ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶ ۴/۵ سرخ رہی مگر سونا صرف ۹ تولے ۶ ماشے رہا کہ واجب سال ششم نکل گیا جس کا ۶۷ تولے ۶ ماشے چاندی، تو چاندی کرنے میں کل فضہ ۱۱۱ تولے ۵ ماشے ۶ ۴/۵ سرخ جس میں وہی دو نصاب کامل نکل کر ۶ تولے ۵ ماشے ۶ ۴/۵ سرخ عفو ہوگی اور سونا کرنے میں کل ذہب ۱۶ تولے ۵ ماشے ۱ ۱۳/۲۵ سرخ ہوتا ہے کہ نصاب سے بھی گھٹ کر سب عفو ہوا جاتا ہے، لہٰذا اس سال سب چاندی ہی کریں گے اور وہی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵ ۱/۵ سرخ سیم واجب مانیں گے، اب کل واجباتِ ذہب وہی ایک تولہ ۶ ماشہ اور فضہ ۵ تولے ۹ ماشے ۲ ۲/۵ سرخ۔

سال ہشتم سونا وہی ۹ تولے ۶ ماشے اور چاندی ۴۱ تولے ایک ماشہ ۱ ۳/۵ سرخ رہی کہ واجب سالِ ہفتم

خارج ہوگیا، ظاہر ہے کہ اب کبھی سونا نہیں کرسکتے کہ جب سال ہفتم چاندی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵ ۱/۵ سرخ اس سے زائد تھی وہ اس سونے میں مل کر تو نصابِ ذہب نہ بناتی تھی اب اتنی گھٹ کر کس طرح نصاب بنا سکے گی، لہذا اس سونے کے وہی ۶۲ تولے ۶ ماشے چاندی ملا کر کل چاندی ۱۰۸ تولے ۷ ماشے ۱ ۴/۵ سرخ باقی، اس میں بھی ۱۰۵ تولے پر وہی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵ ۱/۵ سرخ سیم واجب ہوئی، باقی معاف، وہی کل واجباتِ ذہب ایک تولہ ۶ ماشے، فضہ ۸ تولے ۷ ماشے ۷ ۳/۵ سرخ۔

سال نہم واجب سالِ ہشتم گھٹ کر مع سیم ذہب کُل چاندی ۱۰۵ تولے ۸ ماشے ۴ ۴/۵ سرخ بچی جس پر تولوں کے ۷ تولے کی کسریں عفو ہو کر واجب مذکور لازم آیا، کل واجباتِ ذہب بدستور، فضہ ۱۱ تولے ۶ ماشے ۴ ۴/۵ سرخ۔

سال دہم واجب سالِ نہم گھٹ کر کل چاندی ۱۰۲ تولے ۹ ماشے ۷ ۱/۵ سرخ بچی، اب دوسرا نصاب کامل نہ رہا بلکہ صرف ایک نصابِ کامل اور چار نصاب خمس ہیں جن پر واجب ۲ تولے ۷ ماشے ۴ سرخ۔ کل واجباتِ ذہب بدستور، فضہ ۱۴ تولے ۲ ماشے ۴ ۴/۵ سرخ۔

سال یازدہم میں چاندی نہ رہی اور سونا کہ باقی رہا قابلِ نصاب نہیں، لہذا دس سال کے بعد آج تک کچھ واجب نہ ہوا اور کل مطالبہ سونا ڈیڑھ تولہ، چاندی ۱۴ تولے ۲ ماشے ۴ ۴/۵ سرخ لازم آیا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: از مفتی گنج ضلع پٹنہ ڈاک خانہ ایکنگر سرائے مرسلہ محمد نواب صاحب قادری و دیگر ساکنانِ مفتی گنج
۲۷ رمضان شریف ۱۳۱۸ھ

زید کی بیوی ہندہ صاحبِ نصاب ہے اور مال از قسم زیورات ہے جو خاص ہندہ کی ملکیت ہے یعنی وہ اپنے میکے سے لائی ہے زید اس کو ہدایت ادائے زکوٰۃ کی کرتا ہے مگر اس کی سمع قبول میں نہیں آتی ہے تو یہ فرمائیے کہ شوہر سے اُس کے عصیاں پر مواخذہ ہے یا نہیں اور اس کی طرف سے درانحالیکہ اس کی آمدنی وجہ کفاف سے بیش نہیں ادائے زکوٰۃ کا مکلف شرعاً ہوسکتا ہے یا نہیں اور اُس عورت پر زجر اور فہمائش کی ضرورت ہو تو کس حد تک، اور اگر زید نے اپنے روپیہ سے کچھ زیور بنوا کر ہندہ کو دیا ہو تو اس زیور پر کیا حکم ہے؟

الجواب

زیور کہ ملکِ زن ہے اس کی زکوٰۃ ذمہ شوہر ہرگز نہیں اگرچہ اموالِ کثیرہ رکھتا ہو، نہ اس کے نہ دینے کا اس پر کچھ وبال لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی[1] (کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگی۔ ت)

---

[1] القرآن ۶/۱۶۴

اس پر تفہیم وہدایت اور بقدر مناسب تنبیہ وتاکید (جس کی حالت اختلاف حالات مرد وزن سے مختلف ہوتی ہے) لازم ہے قوا انفسکم و اھلیکم نارا[1] (اپنے آپ اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ۔ت) اور وُہ زیور کہ عورت کو دیا اور اس کی مِلک کر دیا اُس پر بھی یہی حکم ہے، اور اگر مِلک نہ کیا بلکہ اپنی ہی مِلک میں رکھا اور عورت کو صرف پہننے کو دیا تو بیشک اس کی زکوٰۃ مرد کے ذمّہ ہے جبکہ خود یا دوسرے مال سے مل کر قدر نصاب فاضل عن الحاجۃ الاصلیہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲ مرسلہ عبدالصبور صاحب سوداگر ۶ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

ایک شخص نے ایک ہزار روپے کسی روزگار میں لگائے، بعد سال ختم ہونے کے اُس کے پاس مال دو سَو روپیہ کا رہا اور قرض میں پانچ سو روپیہ رہا اور نقد میں چار سو روپیہ مع منافع ایک سو کے رہا، آیا کُل گیارہ سو روپیہ کی زکوٰۃ نکالی جائے یا کس قدر کی؟

الجواب

سال تمام پر کُل گیارہ سو کی زکوٰۃ واجب ہے مگر چار سو نقد اور دو سو کا مال ان کی زکوٰۃ فی الحال واجب الادا ہے اور پانچسو کہ قرض میں پھیلا ہُوا ہے جب اس میں سے بقدر گیارہ روپے تین آنے ۲ ⅖ پائی کے وصول ہوتا جائے اُس کا چالیسواں حصّہ ادا کرتا رہے اور اگر فی الحال سب کی زکوٰۃ دے دے تو آئندہ کے بار بار محاسبہ سے نجات ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳ از شہر مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محرر چونگی ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ حساب قیمت کا جس وقت زیور بنوایا تھا وہ رہے گا یا نرخ بازار جو بروقت دینے زکوٰۃ کے ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سونے کے عوض سونا، چاندی کے عوض چاندی زکوٰۃ میں دی جائے جب تو نرخ کی کوئی حاجت ہی نہیں، وزن کا چالیسواں حصہ دیا جائے گا، ہاں اگر سونے کے بدلے چاندی یا چاندی کے بدلے سونا دینا چاہیں تو نرخ کی ضرورت ہوگی، نرخ نہ بنوانے کے وقت کا معتبر ہو نہ وقت ادا کا، اگر ادا سال تمام کے پہلے یا بعد ہو جس وقت یہ مالکِ نصاب ہُوا تھا وہ ماہ عربی و تاریخ وقت جب عود کریں گے اس پر زکوٰۃ کا سال تمام ہوگا اس وقت کا نرخ لیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن ۶۶/۶

مسئلہ ۲۴ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس تخمیناً ۲۵ تولے چھ ماشہ زیور طلائی موجود ہے اور علاوہ اس کے تخمیناً ۱۵ تولے زیور نقرئی و ۲ تولے زیور طلائی بالعوض مبلغ عـــ روپیہ کی رہن ہے اور عـــ روپے نقد بھی موجود ہیں اور مالِ تجارت میں کہ جو فروخت سے باقی رہ گیا ہے وہ تخمیناً ماللعـــہ۱۲ کا ہے تو اس میں زکوٰۃ کس طور سے ادا کی جائے گی۔

الجواب

اتنا زیور رہن ہے اس کے دو معنے ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ اتنا زیور دوسرے شخص کا اس کے پاس عـــ پر رہن ہے، دوسرے یہ کہ اتنا زیور اس کا دوسرے کے پاس عـــ پر رہن ہے، پہلی صورت میں وہ زیور اس کا نہیں اس کی زکوٰۃ اس پر نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس چھپن۵۶ پر زکوٰۃ ہوگی جو اس نے اس راہن کو قرض دے ہیں اور اس تقدیر پر اس کے پاس مالِ زکوٰۃ یہ ہوا دو ماشے سونا ۲۵ تولے چاندی اور عـــ روپیہ اور ماللعـــہ۱۲ کا مالِ تجارت ۲ ماشے سونا ہونے کا نصاب نہیں اسے بھی چاندی میں شامل کیا جائے گا اگر للعـــ تولے کا ہے تو چار روپے اس کے پڑیں گے اور ۲۵ تولے ۶ ماشے وزن کے عـــ ہوئے تو کل مال ماللعـــہ۱۲ بھر چاندی ہوا، جس میں چار نصاب کامل ماللعـــ ہیں اور چار خمس نصاب للعـــہ۱۲ ۹ ۳/۵ پائی اس پر واجب ۶ تولے ۳ ماشے ۴ ۳/۵ رتی چاندی ہوئی باقی عفو ہے، دوسری صورت میں وہ زیور اسی کا ہے مگر اس کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں جب تک وہ قبضۂ مرتہن میں رہے، اس تقدیر پر فی الحال اس کے پاس مالِ زکوٰۃ یہ ہوا دو ماشے سونا ۲۵ تولے اور چھ ماشہ چاندی اور عـــہ۱۲ نقد و مالِ تجارت جس میں سے عـــ دین کے نکل کر ایک سو روپیہ بارہ۱۲ آنے رہے، سونا چار روپے کا ہو تو کل عـــ۱۲ ہوئے جس میں دو نصاب کامل ماعـــ ہیں اور چار خمس نصاب للعـــہ ۳/۵ پائی، اس پر واجب ۳ تولے ۸ ماشے ۳/۵ رتی چاندی ہوئی، باقی عفو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ادائے زکوٰۃ کے واسطے چاندی کا نصاب کس قدر روپیہ یا کس قدر وزن ہے اور ایسے ہی سونے کا کس قدر ہے؟ رانی کھیت میں چند دنوں سے ایک عالم واعظ وارد ہیں، انھوں نے وعظ میں فرمایا کہ پانچ کم دو سو پر زکوٰۃ فرض نہیں، جس وقت دو سو روپے پورے ہوجائیں اور ایک سال ان پر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ دینا فرض ہوگی اور روپیہ رائج الوقت گورنمنٹ انگلیشیہ کا، جس کا وزن سوا گیارہ ماشے ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ حق اور صواب کی ہدایت عطا فرما۔ ت) چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے جس کے سکۂ رائجہ سے چھپن۵۶ روپے ہوئے، اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے۔

درمختار میں ہے :

نصاب الذھب عشرون مثقالا والفضۃ مائتا درھم کل عشرۃ دراھم وزن سبعۃ مثاقیل[1]

سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا دو سو درہم جن سے ہر دس درہم کا وزن سات مثقال ہوسکے (ت)

مثقال ساڑھے چار ماشے ہے تو درہم کہ اس کا ۷/۱۰ ہے تین ماشے ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوا۔ کشف الغطاء میں ہے :

مثقال بیست قیراط و قیراط ایک جبہ و چہار خمس جبہ و جبہ کہ آنرا بفارسی سرخ گویند ہشتم حصہ ماشہ است پس مثقال چہار و نیم ماشہ باشد[2]

مثقال بیس قیراط، اور قیراط ایک رتی اور رتی کے خمس کی چوتھائی ہوتا ہے، رتی جسے فارسی میں سرخ کہا جاتا ہے ماشہ کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے، تو ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوگا۔ (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے :

الدرھم الشرعی خمس وعشرون حبۃ وخمس حبۃ[3]

یعنی درہم شرعی پچیس رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہے۔

اب حساب سے واضح ہوسکتا ہے کہ دو سو درم نصاب فضہ کے ۵۲ تولے ۶ ماشے اور بیس مثقال نصاب ذہب کے ۷ تولے ۶ ماشے ہوئے اور یہاں کا روپیہ کہ ۱۱ ماشہ ہے اس سے ۵۶ روپے دو سو درم کے برابر ہوئے، یہی وزن معین متون مذہب وعامہ شروح و فتاوٰی میں ہے، ردالمحتار میں فرمایا :

علیہ الجم الغفیر والجمھور الکثیر واطباق کتب المتقدمین والمتاخرین[4]

جم غفیر اور جمہور اسی پر ہیں اور کتب متقدمین و متاخرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ (ت)

تو اس کے خلاف پر عمل جائز نہیں، عقود الدریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے : العمل بما علیہ الاکثر[5] (عمل اسی پر ہوگا

---

[1] درمختار	کتاب الزکوٰۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۱۳۴
[2] کشف الغطاء	فصل دراحکام دعا و صدقہ	مطبع احمدی دہلی	ص ۶۸
[3] جواہر الاخلاطی	کتاب الزکوٰۃ	غیر مطبوعہ قلمی نسخہ	ص ۴۴
[4] ردالمحتار	"	مصطفٰی البابی مصر	۲/۳۲
[5] "	"	"	۱/۱۶۶

جس پر اکثریت ہو۔ت) فقیر نے اپنی تعلیقات حاشیۂ شامی میں لکھا،

اقول ویظھر للعبد الضعیف انہ لا وجہ فان الشرع المطھر انما اعتبر النصاب تحدیدا لغنی یوجب الزکوۃ والغنی بالمالیۃ النامیۃ دون العدد فمن ملک ما ثلثۃ ساوت مائتی درھم فقد ساوی الغنی الشرعی فی الموجب ارأیت لو تعورف فی بلد درھم یساوی فی الوزن مائتی درھم ولو یوجب علیہ الا بعد ما یملک مائتین من ھذا کان حاصلہ ان من ملک فی العرب مثلا ھذا القدر من الفضۃ کان غنیا قد انعقد علیہ النصاب ومن ملک فی ذلک البلد قریبا من مائتی امثال تلک الفضۃ یکون فقیراً لا یخاطب بالزکوۃ بل یحل لہ اخذ الزکوۃ فیؤول الی ان من ملک قدر ربیۃ یامرہ الشرع بان یعطی من ربیتہ لمن یملک مائتی ربیۃ الا واحدۃ مسدا لخلتہ[1] فانہ لقلۃ مالہ فقیر وھذا غنی ھذا مما لا یقبلہ العقل فافھم، واللہ اعلم ما کتبتہ۔

اقول اس عبدِ ضعیف پر واضح ہوا ہے کہ یہی مختار ہے کیونکہ شریعتِ مطہرہ نے غنا کی حد بندی کرتے ہوئے ایسے نصاب کا اعتبار کیا ہے جو زکوٰۃ کے وجوب کا سبب ہو اور غنا مالیتِ نامیہ کی وجہ سے ہے نہ کہ تعداد کی وجہ سے۔ پس جو شخص ایسے سَو کا مالک ہوا جو دوسو درہم کے برابر ہے تو وہ موجب میں غنائے شرعی کے برابر ٹھہرا۔ بتائیے اگر کسی شہر میں ایک ایسا درہم رواج پائے جس کا وزن دوسو درہم کے برابر ہو، تو کیا اس پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب وہ اس درہم جیسے دوسو درہم کا مالک بنے، تو حاصل یہ ہوگا کہ کوئی عرب دوسو درہم کے برابر چاندی کا مالک بن جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے کیونکہ وہ نصاب کا مالک ہوکر غنی ہوگیا، اور جو شخص اس بھاری درہم والے شہر میں اس چاندی کے دوسو گنا کے قریب کا مالک بنے وہ فقیر رہے اور نصاب کا مالک نہ ہونے پر زکوٰۃ لے سکے، تو گویا عدد کے اعتبار سے بات یُوں ہُوئی کہ جو شخص ایک روپے کی مقدار کا مالک ہو اسے شریعت حکم دے رہی ہے کہ وُہ اپنے ایک روپے سے اس شخص کو زکوٰۃ دے جو ایک کم دوسو روپے کا مالک ہے تاکہ اس کی حاجت پُوری ہوسکے کیونکہ یہ قلتِ مال کی وجہ سے فقیر ہے اور ایک روپے والا غنی ہے، اور یہ ایسی چیز ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی، غور کیجئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶: از اٹاوہ کچہری کلکٹری مرسلہ مولوی وصی علی صاحب ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۲۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ھاتین المسألتین (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے ان دو مسئلوں میں

[1] جد الممتار باب زکوٰۃ المال مطبع مبارکپور (بھارت) ۲/۱۲۹

آپ کا کیا ارشاد ہے ۔ت) :

(۱) زید اس وقت ۸ تولے ۶ ماشے زیور طلائی اور ۹۰ تولے ۹ ماشے زیور نقرئی کا مالک ہے۔

(۲) عمرو سو تولے چھ ماشے زیور طلائی اور ۱۵۲ تولے ۳ ماشے زیور نقرئی کا مالک ہے، دونوں کو کس قدر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔ المستفتی عبدالودود

بموجب ضوابط مندرجہ تحفۂ حنفیہ میں نے اس کو یوں نکالا ہے :

(۱) ۸ تولے ۶ ماشے جس میں سے ۷ ۱/۲ تولے نصاب سونے کے بعد خمس ڈیڑھ تولہ تک نہیں پہنچا لہذا ۲ ماشے ۲ رتی واجب الادا زکوٰۃ ہوئی اور ایک تولہ عفو ہوا، ۹۰ تولے ۹ ماشے میں ایک نصاب چاندی ۵۲ تولے اور ۲ خمس ۱۲ تولے، کل ۷۳ تولے پر ایک تولہ ۱۰ ماشے ۲/۵ رتی واجب الادا اور ۶ تولے چاندی عفو ہوتی۔ اب دونوں عفو بلحاظ انفع للفقراء ایک تولہ سونے کی ۲۳ تولے ۶ ماشے چاندی اس طرح ہوئی کہ ایک تولہ سونا بحساب نرخ حال برابر ہے ۳۹ روپے کے اور ۱۴ کی چاندی ۰۶/۱۳ ، پس ۰۶/۱۳ چاندی اس طرح ہوئی کہ ایک تولہ سونا بحساب نرخ حال برابر ہے ۳۹ روپے کے اور ۱۴ روپے کی چاندی ۰۶/۱۳ پس ۰۶/۱۳ چاندی میں ۶ تولے چاندی جو عفو تھی شامل کی گئی تو ۳۱ تولے ۶ ماشے ہوئی جس میں ۶ ماشے کم چار خمس ہیں :

(الف) پورے چار خمس کا ربع عشر ۱۲ ماشے ۴ ۲/۵ سرخ لے جو ایک تولہ ۱۰ ماشے ۲/۵ واجب پر بڑھائے تو ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵ ۱/۵ سرخ واجب الادا ہوا۔

(ب) اگر تین نصاب خمس ۱۲ ۱/۲ تولہ اضافہ کیا جائے تو ۹ ماشے ۳ ۳/۵ اضافہ ہوا اور دس تولے کچھ فاضل ہوگا اور ۲ تولے ۷ ماشے ۴ رتی واجب ہوگا، اگر یہ حساب صحیح ہے تو کون سا اختیار کیا جائے، الف یا ب؟

(۲) عمرو والے معاملہ میں اسی طریقہ سے ۱۶ ۱/۲ تولہ سونے میں ۲ نصاب ۱۵ تولے اور ایک خمس ۱ ۱/۲ تولہ ہے تو دو نصاب کے ۴ ماشے ۴ سرخ اور خمس کا ۳ ۳/۵ ، کل ۴ ماشے ۷ ۳/۵ سرخ واجب الادا ہوتا ہے اور عفو کچھ نہیں، اور ۱۵۲ تولے ۳ ماشے چاندی میں ۲ نصاب ۱۰۴ تولے اور تین خمس ۳۱ ۱/۲ تولے مجرا ہوکر ۹ تولے ۹ ماشے عفو رہتا ہے اور ۲ نصاب کے ۵ تولے ۳ ماشے اور تین خمس کا ربع عشر ۹ ماشے ۳ ۳/۵ سرخ ہو گئیں۔ ۶ تولے ۳ ۳/۵ سرخ واجب الادا ہوتا ہے اب ایک جانب عفو نہیں اور دوسری جانب ہے اس صورت میں ۹ تولے ۹ ماشے عفو کو چھوڑ دیا جائے یا اس کو سونا کیا جائے، اگر سونا کیا جائے تو اس کے خمس کا ربع عشر لے کر ۴ ماشے ۷ ۳/۵ سرخ اضافہ کیا جائے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زکوٰۃ عمرو کا حساب صحیح ہے مگر ۹ تولے ۹ ماشے چاندی جبکہ سونا کرنے سے ۱ ۱/۲ تولہ سونے کی قدر نہ ہو تو اُسے

نصابِ ذہب میں ملانے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ صورتِ مذکورہ میں وُہ مطلقاً عفو رہے گی، ہاں اگر اپنی صنعت کی وجہ سے اُس مقدار تک پہنچ جائے یا بڑھ جائے تو جتنے خمس نصابِ ذہب اس میں پیدا ہوں گے اُن کا ربع عشر زکوٰۃِ ذہب پر زیادہ کرلیا جائے گا باقی جو خمس کامل سے کم رہا چھوڑ دیا جائے گا، حسابِ زکوٰۃِ زید میں تین سہو واقع ہوئے:

(۱) تولہ بھر سونا کہ اپنی نوع میں عفو تھا جبکہ نرخ حال سے پچیس روپے کا ہے تو اُسے پچیس ہی روپیہ بھر چاندی قرار دیں گے جس کی تیئیس۲۳ تولے پانچ ماشے دو رتی چاندی ہُوئی کہ روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے نہ یہ کہ تولہ بھر سونے کی قیمت ۲۵ روپیہ لے کر پھر ان ۲۵ روپے کی چاندی خریدیں اور ۳۰ تولے چاندی قرار دیں قیمت سکّہ ہی سے لگائی جاتی ہے نہ کہ پتھر یا اینٹ سے۔ فتح القدیر میں ہے:

التقویم فی حق اللّٰہ تعالٰی یعتبر بالتقویم فی حق العباد متی قوّما المغصوب او المستھلک نقوم بالنقد الغالب کذا ھذا[1]۔

اللہ تعالٰی کے حق میں قیمت لگانے کا اعتبار اسی طرح ہوگا جو بندوں کے حق میں مفید ہو جب ہم کسی مغصوب یا ہلاک شدہ چیز کی قیمت لگائیں گے تو نقد غالب سے لگائیں گے، اسی طرح یہ ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یقوم بالمضروبۃ کذا فی التبیین[2]۔

مضروبہ سے قیمت لگائی جائے گی، جیسا کہ تبیین میں ہے۔ (ت)

پس مقدار مذکور ۶ تولے عفو سیم میں ملانے سے ۲۹ تولے ۵ ماشے ۲ رتی چاندی ہوئی جس میں صرف ۲ خمس ہیں جن پر ۶ ماشے ۲ ۲/۵ سرخ اور واجب ہو کر کل واجب ذمہ زید سونا ۲ ماشے ۲ سرخ چاندی ۲ تولے ۸ ماشے ۲ ۳/۵ سرخ۔

(۲) ۲۵ روپوں کے پھر ۳۰ تولے چاندی اگر کی جائے تو ۶ تولے عفو سے مل کر ۳۶ تولے ہوتی نہ کہ ۴۱، یہ لغزش قلم تھی۔

(۳) اگر بالفرض ۳۵ تولے اور ملاتے اور حاصل جمع ۴۱ ہی تولے ہوتا تو حساب ب متعین تھا الف کی طرف کوئی راہ نہ تھی کہ جو خمس سے چاول بھر بھی کم ہے وہ خمس کامل ہرگز نہ مانا جائے گا، یہ ہمیشہ یاد رکھا جائے اور فائدہ اولٰے خوب سمجھ لیا جائے کہ فقیر کا ضابطہ جو تحفہ حنفیہ میں چھپا اس میں اس کی صاف تصریح کی گئی تھی اس کا جاننا اس کے

---

[1] فتح القدیر — فصل فی العروض — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۶۸

[2] فتاوٰی ہندیہ — الفصل الثانی فی العروض — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۹

ضوابط کے اجرا پر معین ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۱ از شہر ملوک پور مرسلہ جناب سید محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زکوٰۃ زیور طلائی و نقرئی پر کس حساب سے دی جائے، آیا قیمتِ خرید پر یا جو قیمت اس کی خرید کرنے سے ملتی ہے؟

(۲) زرِ نقد پر زکوٰۃ ۲۱ فیصدی ہے یا اس سے کم و بیش؟

(۳) زکوٰۃ کن کن اشیاء پر واجب ہے؟

(۴) صدقۂ فطر و زکوٰۃ والدین کی جانب سے اولاد اور اولاد کی جانب سے والدین جبکہ خورد و نوش یکجا ہو دے سکتے ہیں؟

الجواب

(۱) سال تمام پر بازار کے بھاؤ سے جو قیمت ہو اس کا لحاظ ہوگا، اگر مختلف جنس سے زکوٰۃ دینا چاہیں مثلاً سونے کی زکوٰۃ میں چاندی، ورنہ سونے چاندی کی خود اپنی جنس سے زکوٰۃ دیں تو وزن کا اعتبار ہے قیمت کا کچھ لحاظ نہیں۔

(۲) صاحبین کا یہی مذہب ہے اور اس میں فقیر کا نفع زیادہ ہے اور دینے والے کو بھی حساب کی آسانی ہے۔

(۳) سونا چاندی اور مالِ تجارت اور چرائی پر چھوٹے ہوئے جانور۔

(۴) خور و نوش یکجا ہو یا ان میں دوسرے کی طرف سے کوئی فرض و واجب مالی ادا کرنے کے لیے اس کی اجازت کی حاجت ہے، اگر بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر یا اس کی زکوٰۃ ماں باپ نے اپنے مال سے ادا کر دی یا ماں باپ کی طرف سے اولاد نے اور اصل جس پر حکم ہے اس کی اجازت نہ ہوئی تو ادا نہ ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۳۲ ایک شخص کے پاس گیارہ تولے سونا اور دو سیر چاندی ہے تو اس کو کس قدر زکوٰۃ دینا چاہئے، یعنی ان دونوں کی مقدار تحریر فرمائیے کہ اس قدر سونے کی زکوٰۃ کے روپے ہوئے اور اس قدر چاندی کی زکوٰۃ کے۔ بینوا توجروا

الجواب

ایک بات لکھئے، چاندی کا ٹھیک وزن کتنا ہے، صاحبین علیہما الرضوان کے مذہب پر تو حساب سب اتنا ہے تین ماشے دو رتی ۳ ۱/۵ چاول بھر سونا اور پانچ روپے بھر چاندی دے۔ اگر امام اعظم علیہم الرضوان کے مذہب

سال	باقی				بچا خمس	واجب		خمس بچا	واجب			کل واجب سال		
	تولہ	ماشہ	سرخ	خمس سرخ		ماشہ	سرخ		ماشہ	سرخ	خمس	ماشہ	سرخ	خمس
۱	۲۱	۲	۰	۰	۲	۳	۳	۳	۱	۶	۲	۶	۲	۲
۲	۲۰	۷	۵	۳	〃	〃	〃	۳	۱	۲	۴	۵	۶	۴
۳	۲۰	۱	۶	۴	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۵	۶	۴
۴	۱۹	۸	۰	۰	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۵	۶	۴
۵	۱۹	۲	۱	۱	〃	〃	〃	۲	۰	۷	۱	۵	۳	۱
۶	۱۸	۸	۶	۰	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۵	۳	۱
۷	۱۸	۳	۲	۴	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۵	۳	۱
۸	۱۷	۹	۷	۳	〃	〃	〃	۱	〃	۳	۲	۴	۷	۳
۹	۱۷	۵	۰	۰	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۷	۳
۱۰	۱۷	۰	۰	۲	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۷	۳
۱۱	۱۶	۷	۰	۴	〃	〃	〃	۰	〃	۰	۰	۴	۴	۳
۱۲	۱۶	۲	۱	۱	〃	〃	〃	۰	〃	۰	۰	۴	۴	۰
۱۳	۱۵	۹	۵	۱	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۴	۰
۱۴	۱۵	۵	۱	۱	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۴	۰
۱۵	۱۵	۰	۵	۱	〃	〃	〃	۴	〃	〃	〃	۴	۴	۰
۱۶	۱۴	۸	۱	۱	۱	۲	۲	۴	۱	۶	۲	۴	۰	۲
۱۷	۱۴	۴	۰	۴	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۰	۲
۱۸	۱۴	۰	۰	۲	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۰	۲
۱۹	۱۳	۸	۰	۰	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۰	۲
۲۰	۱۳	۳	۷	۳	〃	〃	〃	۳	〃	۲	۴	۳	۴	۴
۲۱	۱۳	۰	۲	۴	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳	۴	۴
۲۲	۱۲	۸	۶	۰	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳	۴	۴
۲۳	۱۲	۵	۱	۱	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳	۴	۴
۲۴	۱۲	۱	۴	۲	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳	۴	۴
۲۵	۱۱	۹	۷	۳	〃	〃	〃	〃	۰	۷	۱	۳	۱	۱۰

مسئلہ ۳۵

۲۱ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین وفضلائے شریعت اس مسئلہ میں کہ بینک یا ڈاکخانہ میں جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے اس کی نسبت زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب

روپیہ کہیں جمع ہو کسی کے پاس امانت ہو مطلقاً اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۶ (۳۷)

۲ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

(۱) میں نے مبلغ سو روپیہ سیونگ بینک میں جمع کر رکھا ہے وہ پورا سال بھر میرے قبضہ میں نہیں رہا، اس پر زکوٰۃ

واجب ہے یا جب دو یا تین سال وغیرہ میں برآمد کرکے قبضہ میں لیا جائے اس وقت زکوٰۃ دی جائے اور جب قبضہ میں آئے تو ہر سال کی بابت زکوٰۃ دی جائے یا صرف اسی سال قبضہ والے کی بابت؟

(۲) میں نے مبلغ دو سو روپے کے پرامیسری نوٹ ڈاک خانے سے خریدے اب اگر مجھ کو روپے کی خواہ کسی قدر سخت ضرورت ہو تو فوراً وصول نہیں ہو سکتا بلکہ تاوقتیکہ کوئی خریدار غیر ان پرامیسری نوٹ کا پیدا نہ ہو تب تک وہ روپیہ مجھ کو وصول نہیں ہو سکتا خواہ دو روز میں خریدار پیدا ہو جائے یا سال بھر میں پیدا ہو تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) وہ جب تک بینک میں ہے اپنے قبضے میں سمجھا جائے گا اور ہر سال اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ سال بسال ادا کرتا رہے یا جب اس میں سے گیارہ روپے سوا تین آنے کی وصول ہو اُس میں سے چالیسواں حصہ دے اور جتنے برس رہا ہے سب برسوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں ہر سال اگلے برسوں کی زکوٰۃ کی قدر اس پر دین سمجھ کر اتنا زکوٰۃ سے جُدا رہے گا، مثلاً دو سو روپیہ جمع ہیں تو پہلے سال دو سو پر پانچ روپیہ تقریباً واجب ہوئے دوسرے سال پانچ روپیہ سال گزشتہ کی زکوٰۃ کے اُس پر واجب ہیں لہٰذا اس سال ایک سو پچانوے پر زکوٰۃ واجب ہوگی تقریباً چار روپے چودہ آنے۔ تیسرے سال اُس پر دو سال کی زکوٰۃ کے نو روپے چودہ آنے قرض ہیں یہ مستثنیٰ ہو کر ایک سو نوے روپے دو آنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی وعلی ھذا القیاس، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) پرامیسری نوٹوں کا یہ قاعدہ ہے کہ روپیہ گورنمنٹ کو دے دیا جاتا ہے جس پر وہ یہ نوٹ دیتی ہے اب یہ روپیہ کبھی واپس نہ ملے گا نہ خود اصل مالک لے سکتا ہے نہ اس کا وارث نہ اس کا کوئی قائم مقام، ہاں گورنمنٹ اس روپے پر چھ آنے فیصدی ماہوار کے حساب سے ہمیشہ سود دے گی تو یہ نوٹ نوٹوں کی طرح خود مال نہیں بلکہ سند قرض ہیں لہٰذا اس پر گورنمنٹ سُود دیتی ہے اور عام نوٹ خزانے سے خریدے جائیں تو ایک پیسہ سُود نہ دے گی کہ وہ بیع تھی معاوضہ تمام ہو گیا اور یہاں قرض ہے سود جاری رہا اور جب ان نوٹوں کا روپیہ قرض رہا اور وہ قرض کسی طرح واپس نہیں مل سکتا تو قرض مردہ ہوا اور قرض مُردہ پر زکوٰۃ نہیں، نہ ان نوٹوں کا بیچنا جائز کہ وہ حقیقۃً غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع ہے اور وہ جائز نہیں تو ان کو بیچ کر جو روپیہ لے گا اس کے لیے خبیث ہوگا اور اس پر فرض ہوگا کہ جس سے لیا تھا اسے واپس دے اور اس بیع فاسد کو فسخ کرے تو زکوٰۃ ان نوٹوں پر ہے کہ یہ مال نہیں نہ اس روپیہ پر جو انھیں بیچ کر ملے گا کہ یہ تمام وکمال خبیث ہے، نہ اس روپیہ پر جو گورنمنٹ کو قرض دے کر یہ نوٹ لیے تھے کہ وہ قرض مردہ ہے جو کبھی واپس نہ ملے گا۔ درمختار میں ہے:

الاصل فیہ حدیث علیؓ لا زکوٰۃ فی مال — اس میں اصل علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے

الضمار وھو مالا یمکن الانتفاع بہ مع بقاء الملک۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ | کہ مالِ ضمار پر زکوٰۃ نہیں، مالِ ضمار وہ کہ ملکیت ہونے کے باوجود اس سے انتفاع ممکن نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔)

مسئلہ ۳۸ ازمقام درو ضلع نینی تال مسئولہ عبداللہ دکاندار صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے پاس ساٹھ روپے نقد ہیں اور پچاس رُپے کا اس کی عورت پر زیور ہر وقت پہننے کا اور پچاس روپے کی دکانداری کرتا ہے کل یہی اسباب ہے اور اس میں پچانوے روپے مہر عورت کا قرض ہے اور جو دُکان کرتا ہے وہ ایسا سمجھنا چاہیے کہ جیسے کاشتکار کے ہل جوتنے کے بیل اور گھوڑا پچیس روپے کی قیمت کا ہے دکانداری کا سوت لادنے کے واسطے، اس حالت میں اول مال پر زکوٰۃ ہونی چاہیے یا نہیں؟ جیسا کہ شرع شریف کا حکم ہو عمل کیا جائے، اور سال بھر کے کھانے کا اناج بھی اس کے گھر میں نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

آج کل عورتوں کا مہر عام طور پر مہر موخر ہوتا ہے جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوگا مرد کو اپنے تمام مصارف میں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ پر یہ دین ہے ایسا مہر مانع وجوب زکوٰۃ نہیں ہوتا سال تمام پر اس کے پاس اگر ساٹھ روپے بچے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ کا نصاب ۵۶ رُپے (۵۲½ تولہ چاندی) ہے اور وہ زیور اگر شوہر کی ملک ہے تو وہ شامل کیا جائے گا ایک سو دس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر وہ مالِ تجارت بھی بچا تو وہ بھی شامل ہوگا ایک سو ساٹھ پر ہوگی، غرض ان تینوں مالوں میں سے سال تمام پر اگر ۵۶ روپے کی قدر ہوگا تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں اور اگر زیور عورت کی ملک ہے تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی جبکہ وہ خود یا اس کی ملک کا اور سونا چاندی ملا کر ساڑھے باون تولے چاندی ہو ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۹ از نینی تال کاشی پور مسئولہ ڈاکٹر اشتیاق علی ۱۸ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

متعلق زکوٰۃ پار سال میرے پاس ایک سو پچاس روپے رمضان میں جمع تھے اور زکوٰۃ میں نے ایک سو پچاس روپے پر دی تھی، دو ماہ بعد دو سو ہوگئے اور ۶ ماہ بعد ۲۵۰ ہوگئے اور اب رمضان میں پورے تین سو ہوگئے، اور میں ہر سال رمضان میں زکوٰۃ نکالا کرتا ہوں تو اب مجھ کو تین سو روپے پر دینا ہوگی یا صرف ۱۵۰ پر کیونکہ ۱۵۰ کے بعد جو روپے بڑھے ہیں ان کو پورا ایک سال نہیں گزرا ہے۔

الجواب

نصاب جبکہ باقی ہو تو سال کے اندر اندر جس قدر مال بڑھے اسی پہلے نصاب کے سال تمام پر اس کل کی

۱؎ درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۹/۱

زکوٰۃ فرض ہوگی، مثلاً یکم رمضان کو سال تمام ہوگا اور اس کے پاس صرف سو روپے تھے تیس شعبان کو دس ہزار اور آئے کہ سال تمام سے چند گھنٹے بعد جب یکم رمضان آئے گی اس پورے دس ہزار ایک سو پر زکوٰۃ فرض ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۰ از شہر بریلی محلہ جسولی مسئولہ حافظ علی شاہ صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی تین لڑکیوں کی شادی کے واسطے روپیہ علیحدہ کر دیا ہے جس میں سے دو لڑکیاں نابالغ ہیں اور ایک قابل ہے شادی کے، اب اس روپیہ کی زید پر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب

ضرور واجب ہے مگر اُس حالت میں ہر نابالغہ کا حصہ جُدا کر کے یہ کہہ دے کہ میں نے اسے اُس کا مالک کیا، اس کی زکوٰۃ ان کے بلوغ تک کسی پر واجب نہ ہوگی بعد بلوغ اگر شرائط زکوٰۃ پائے گئے تو ان لڑکیوں پر واجب ہوگی اور بالغہ کا حصہ جُدا کر کے اُسے مالک کر دے اور اس کے قبضے میں دے دے اگرچہ پھر اس سے لے کر اپنے پاس رکھ لے، اس حصہ کی زکوٰۃ حسبِ شرائط اُس بالغہ پر ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۱ تا ۱۴۳ از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی فاروقی ۴ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کیا نوٹ اور روپیہ کا ایک ہی حکم ہے، نوٹ تو چاندی سونے سے علیحدہ کاغذ ہے۔

(۲) فی صدی زکوٰۃ کا کیا دینا ہوتا ہے۔

(۳) جس روپیہ سے زکوٰۃ پہلے سال میں دے دی اور باقی روپیہ بدستور دوسرے سال تک رکھا رہا اب دوسرے سال آنے پر کیا پھر اُسی روپیہ میں سے جس میں پہلے سال زکوٰۃ دے چکا ہے زکوٰۃ دینا ہوگی بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) نوٹ اور روپیہ کا حکم ایک نہیں ہوسکتا، روپیہ چاندی ہے کہ پیدائشی ثمن ہے اور نوٹ کاغذ کہ اصطلاحی ثمن ہے تو جب تک چلے اس کا حکم پیسوں کے مثل ہے کہ وہ بھی اصطلاحی ثمن ہے۔

(۲) زکوٰۃ ہر نصاب وخمس پر چالیسواں حصہ ہے اور مذہب صاحبین پر نہایت آسان حساب اور فقراء کے لیے نافع یہ ہے کہ فیصدی ڈھائی روپے۔

(۳) دس برس رکھا رہے، ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی جب تک نصاب سے کم نہ رہ جائے، یہ اس لیے کہ جب پہلے سال کی زکوٰۃ نہ دی دوسرے سال اس قدر کا مدیون ہے تو اتنا کم کر کے باقی پر زکوٰۃ ہوگی، تیسرے

Dar-ut-Tahkik Arshadia

سال اگلے دونوں برسوں کی زکوٰۃ اس پر دین ہے تو مجموع کم کرکے باقی پر ہوگی، یُوں ہی اگلے سب برسوں کی زکوٰۃ منہا کرکے جو بچے اگر خود یا اس کے اور مال زکوٰۃ سے مل کر نصاب ہے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ مسئولہ شمس الدین احمد از فرخ آباد ۱۲ شوال ۱۳۳۴ھ

وُہ زیور جو کسی نے اپنے بچّوں یعنی لڑکیوں کو بنوا دیا اور ان کی ملک میں کر دیا اور وُہ بچّے ابھی نابالغ ہیں زکوٰۃ دینے کے لائق ہی نہیں یعنی اپنی بی بی کے زیور اور نقد کی زکوٰۃ دیتے وقت بچّوں کا زیور حساب میں شامل کرے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جو زیور بچّوں کو ہبہ کر دیا اس کی زکوٰۃ نہ اس پر نہ بچّوں پر، اُس پر اس لیے نہیں کہ یہ ملک نہیں، اُن پر اس لیے نہیں کہ وُہ بالغ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۵ تا ۴۷ ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) جو لڑکیاں نا کتخدا ہیں اور نابالغ، ان کے زیور کی بھی زکوٰۃ ہونی چاہئے یا نہیں؟

(۲) میں نے لڑکی کی شادی کی ضرورت سے اپنا زیور رہن کیا، شوہر اس وقت میں بیکار تھے، باقی زیور جو میرے پاس تھا اس کی زکوٰۃ تو میں ادا کرتی رہی، جو رہن تھا اس کی زکوٰۃ نہ دی، سات آٹھ برس رہن رہا، اب میں نے چھڑایا تو اس سات آٹھ برس کی زکوٰۃ چاہئے یا نہیں؟

(۳) شوہر نے جس وقت قرض لیا تھا تو زیور میرا بطور رہن کے رکھ دیا تھا میری والدہ کے پاس، تو اور تھوڑا زیور جو اُس وقت میں بھی رہن نہ رکھا تھا جب سے اب تک میرے پاس ہے اور زکوٰۃ جب نہیں دی گئی قرضے کا خیال کرکے۔

الجواب

(۱) نابالغ لڑکیوں کا جو زیور بنایا گیا اگر ابھی انھیں مالک نہ کیا گیا بلکہ اپنی ہی ملک پر رکھا اور ان کے پہننے کے صرف میں آتا ہے اگرچہ نیت یہ ہو کہ بیاہ ہُوئے پر ان کے جہیز میں دے دیں گے جب تو وُہ زیور ماں باپ جس نے بنایا ہے اُسی کی ملک ہے، اگر تنہا یا اس کے اور مال سے مل کر قدرِ نصاب ہے اُسی مالک پر اس کی زکوٰۃ ہے اور اگر نابالغ لڑکیوں کی ملک کر دیا گیا تو اس کی زکوٰۃ کسی پر نہیں، ماں باپ پر تو یُوں نہیں کہ اُن کی ملک نہیں، اور لڑکیوں پر یُوں نہیں کہ وُہ نابالغہ ہیں، جب جوان ہوں گی اُس وقت سے ان پر احکامِ زکوٰۃ

وغیرہ کے جاری ہوں گے۔

(۲) ان برسوں کی زکوٰۃ واجب نہیں کہ جو مال رہن رکھا ہے اس پر اپنا قبضہ نہیں، نہ اپنے نائب کا قبضہ ہے، بحرالرائق میں ہے:

اطلق الملك فانصرف الى الكامل وهو المملوك رقبة ويدا فلا يجب على المشترى فيما اشتراه للتجارة قبل القبض كذا فى غاية البيان ولايلزم عليه ابن السبيل لان يد نائبه كيده كذا فى معراج الدراية ومن موانع الوجوب الرهن اذا كان فى يد المرتهن لعدم ملك اليد بخلاف العشر حيث يجب فيه كذا فى العناية[1] اھ مختصراً۔

ملک کا ذکر مطلق کیا ہے لہذا اس سے ملکیت کاملہ مراد ہوگی اور وہ رقبۃً اور یداً دونوں طرح مملوک ہونا ہے لہذا مشتری پر قبض سے پہلے اس شئی پر زکوٰۃ نہ ہوگی جو اس نے بطور تجارت خریدی، غایۃ البیان میں اسی طرح ہے۔ اس پر مسافر کے ساتھ اعتراض لازم نہیں آتا کیونکہ اس کے نائب کا قبضہ اس کے اپنے قبضے کی طرح ہے، معراج الدرایہ میں ایسے ہی ہے۔ اور موانع وجوب میں سے رہن بھی ہے جبکہ وہ مرتہن کے قبضہ میں ہو کیونکہ اس صورت میں ملکیت نہیں بخلاف عشر کے، وہاں واجب ہے، العنایہ اھ مختصراً (ت)

درمختار میں ہے: ولا فى مرهون بعد قبضه[2] (قبضہ کے بعد مرہونہ شئی میں زکوٰۃ نہیں۔ ت)

طحطاوی میں ہے:

اى على المرتهن لعدم الملك ولا على الراهن لعدم اليد واذا استرده الراهن لايزكى من السنين الماضية وهو معنى قول الشارح بعد قبضه ويدل عليه قول البحر ومن موانع الوجوب الرهن اھ حلبى وظاهره ولوكان الرهن ازيد من الدين[3] اھ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

یعنی مرتہن پر زکوٰۃ اس لیے نہیں کہ وہاں ملکیت نہیں، نہ ہی راہن پر ہے کیونکہ اس کا قبضہ نہیں، جب راہن اس شئی کو واپس لے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں دے گا، شارح کے قول "قبضہ کے بعد" کا یہی معنی ہے اور اس پر بحر کی یہ عبارت دال ہے، موانع وجوب میں سے رہن ہے اھ حلبی، اس کا ظاہر بتا رہا ہے کہ اگرچہ رہن قرض سے زائد ہو اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۰۲

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۹۱-۹۲

(۳) اظہار سائلہ سے واضح ہُوا کہ یہ زیور بغرض رہن اس نے خود اپنے شوہر کو دیا اور اس نے اس کی اجازت سے رہن کیا تھا تو یہ رہن بھی رہن بالحق تھا، تو ظاہر یہاں بھی یہی ہے کہ اُس مدت کی زکوٰۃ واجب نہ ہو،

لعدم الملك الكامل فانه ليس مملوكا يدا لان قبض الرهن قبض استيفاء، كما في الهداية[1]۔

ملکیت کاملہ نہ ہونے کی بنا پر کیونکہ وہ قبضہ کے لحاظ سے مملوک نہیں ہے کیونکہ رہن کا قبضہ وصولی کا قبضہ ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ (ت)

اور بعد تعلق حق مذکور کے کچھ یہ ضرور نہیں کہ وُہ دین خود اسی پر ہو لہذا اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے اُس کے دَین کی ضمانت کرے تو بقدار دَین اس کا مال مشغول سمجھا جائیگا کہ دائن کو حقِ استیفاء اس سے حاصل ہے اگرچہ دَین اصالۃً اس پر نہیں۔ درمختار میں ہے:

فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد سواء كان لله تعالى كزكوة وخراج او للعبد ولو كفالة۔ الخ[2]

ایسے دَین سے فارغ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو خواہ اللہ تعالٰی کے لیے ہو مثلاً زکوٰۃ، خراج یا بندے کا حق ہو اگرچہ بطور کفالت ہو الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال في المحيط لو استقرض الفا فكفل عنه عشرة ولكلٍ الف في بيته وحال الحول فلا زكوة على واحد منهم لشغله بدين الكفالة لان له ان ياخذ من ايهم شاء بحر[3] الخ۔

محیط میں ہے اگر کسی نے ہزار روپیہ قرض لیا اور اس کی طرف سے دس آدمی کفیل بنے اور ہر ایک کے پاس ایک ایک ہزار روپیہ ہے جس پر سال گزرا تو ان میں کسی پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ وہ قرض کفالت میں مشغول ہے کیونکہ قرضخواہ ان میں سے کسی سے بھی قرض لے سکتا ہے۔ بحر الخ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لو كانت العارية عبدا فاعتقه المعير جاز لقيام ملك الرقبة ثم المرتهن بالخيار ان شاء رجع بالدين

اگر عاریۃً غلام تھا اسے معیر نے آزاد کر دیا تو جائز ہے کیونکہ وہ اس کی گردن کا مالک ہے پھر مرتہن کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو راہن سے دین وصول کرے کیونکہ اس نے

---

[1] الہدایہ — کتاب الرھن — مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۵۱۷
[2] درمختار — کتاب الزکوٰۃ — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹
[3] ردالمحتار — " — مصطفی البابی مصر ۲/۶

علی الراهن لانه لم یستوفه و ان شاء ضمن المعیر قیمته لان الحق قد تعلق برقبته برضاه وقد اتلفه بالاعتاق[1] الخ

بدل حاصل نہ کیا ——— اگر وہ چاہے تو معیر سے اس کی قیمت وصول کرسکتا ہے کیونکہ حق کا تعلق گردن سے اس کی رضامندی سے ہے جو اس نے آزاد کرکے ضائع کیا ہے الخ (ت)

ہاں جو زیور رہن نہ تھا اور جب سے پاس ہے اگر وہ خود یا اور مالِ زکوٰۃ سے مل کر نصاب تھا تو جب تک نصاب پُورا رہا اُس مدت کی زکوٰۃ واجب ہے اور قرضے کا خیال باطل خیال ہے کہ قرض شوہر پر تھا اور زیور عورت کا زکوٰۃ عورت پر ہے نہ کہ شوہر پر، البتہ یہ زکوٰۃ جو چڑھتی گئی ہر سال اس کا حساب لگانے سے جس سال اُسے مجرا کر کے مال بقدر نصاب نہ رہے اس سال کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، مثلاً زیور وغیرہ اموالِ زکوٰۃ ملاکر پہلے سال دو سو دس (۲۱۰) درم کا مال تھا اُس سال پانچ درم زکوٰۃ کے واجب ہوئے، دوسرے سال یہ پانچ درم کا کر زکوٰۃ کا قرضہ ذمہ پر ہے مجرا کرکے گویا دو سو پانچ (۲۰۵) درم کا مال تھا اب پھر پانچ واجب ہُوئے، تیسرے سال دس درم زکوٰۃ کے مجرا کرکے گویا دو سو (۲۰۰) کا مال تھا اب بھی پانچ واجب ہوئے، چوتھے سال پندرہ مجرا کرکے پانچ کم دو سو کا مال رہا، یہ نصاب نہیں، اب زکوٰۃ نہیں، وہی پندرہ ہی واجب الادا ہے، مگر یہ کہ ختم سال پر اور کہیں سے پانچ درم مل گئے ہوں کہ دو سو درم پُورے ہوکر پھر پانچ درم لازم آئیں گے اور بیس واجب ہوجائیں گے، یہی حساب ہر سال میں خیال کرلینا لازم ہے، دو سو درم شریعت میں چھپن روپے کے ہوتے ہیں اور پانچ درم کا ایک روپیہ سوا چھ آنے ایک دھیلا اور پیسے کا دسواں حصّہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از فرید پور شرقی مرسلہ منشی محمد علی صاحب نائب ناظر تحصیل فرید پور ۵ رجب ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ زید کے پاس چار سو روپیہ علاوہ خرچ روزمرہ کے اس تفصیل سے ہیں کہ دو سو روپیہ بابت خرید مکان مسکونہ کے مالکِ مکان کو دے چکا ہے اور دو سو روپے نقد رکھے ہیں اب زید کو زکوٰۃ ادا کرنا چار سو روپے پر چاہیے یا دو سو پر، جو اس کے پاس نقد رکھے ہیں، کب اور کس حساب سے اس کو ادا کرنا چاہیے، مثلاً اگر اسی مہینہ جمادی الثانی سے اُس کے پاس دو سو روپے نقد جمع ہوگئے، تو اب زید کو کس مہینہ میں اور کس قدر ادا کرنا چاہیے، اور درصورت نہ ادا کرنے کے کیا مواخذہ اس کے ذمے ہوگا، امید کہ اللہ تعالٰی جواب بالتفصیل مرحمت فرمایا جائے تاکہ عام فہم ہوکر سب کو فائدہ دارین عطا فرمائے۔

---

[1] الہدایۃ باب التصرف فی الرہن مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۵۴۵

الجواب

بیانِ سائل سے واضح ہُوا کہ ہنوز اُس مکان کی بیع نہیں ہُوئی، وعدہ خرید وفروخت درمیان آیا ہے' اور اسی بناء پر زید نے مالکِ مکان کو دوسو روپے پیشگی دے دیے اور اُسے اجازت دی کہ خرچ کرلے، یہ صورت قرض کی ہُوئی ثمن کہہ نہیں سکتے کہ ابھی بیع ہی نہیں ہوئی امانت نہیں کہہ سکتے کہ خرچ کی اجازت دی لاجرم قرض ہے

فی لسان الحکام والعقود الدریۃ وغیرھما دفع الیہ دراھم فقال لہ انفقھا ففعل فھو قرض کما لو قال اصرفھا الی حوائجك[1]۔

لسان الحکام اور عقود الدریہ وغیرہ میں ہے کہ کسی کو دراہم دیئے گئے اور کہا گیا کہ انھیں خرچ کر، اس نے خرچ کردیئے تو یہ قرض ہے جیسا کہ اگر کسی نے یہ کہا ہو کہ انھیں اپنی ضروریات پر خرچ کرلے۔ (ت)

تو دوسو کہ اس کے پاس رکھے ہیں اور دوسو جو مالکِ مکان کو دئے ہیں چاروں سو اسی کی ملک میں اور مالِ زکوٰۃ ہیں، زکوٰۃ کا نصاب ان روپوں سے چھپّن روپے ہے، جس تاریخ یہ شخص چھپّن روپے یا زائد کا مالک ہُوا اُسی تاریخ سے مالکِ نصاب سمجھا گیا، جب ہی سے سالِ زکوٰۃ کا حساب ہوگا، سال کے اندر جو مال اور ملتا گیا اُسی کے ساتھ ملتا رہے گا، سال تمام پر دیکھیں گے سب خرچوں سے بچ کر حوائج اصلیہ سے فاضل کتنا روپیہ اس کی ملک میں ہے خواہ اس کے اپنے پاس رکھا ہو یا کسی کے پاس امانت ہو یا کسی کو قرض دے دیا ہو اُس قدر پر زکوٰۃ واجب آئے گی' اور جو سال تمام ہونے سے پہلے صرف ہوگیا ہو وہ حسابِ زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگا مثلاً یکم محرم ۱۵ھ کو چھپّن روپیہ کا مالک ہُوا اتفاقاً ربیع الاوّل میں سَو اور ملے، جمادی الآخر میں دوسو اور ملے، یہ دوسو مالکِ مکان کو قرض دے دے تو اُس پر اُسی یکم محرم سے سال چل رہا ہے اور ابھی کہ سال تمام نہ ہوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کس قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی اب اگر یکم محرم ۱۶ھ کے آنے سے پہلے مکان کی بیع واقع ہوگئی اور وہ دوسو کہ قرض دئے تھے سال تمام سے پہلے قیمتِ مکان میں محسوب ہوگئے تو یہ دوسو حسابِ زکوٰۃ سے خارج ہوگئے کہ ان پر سال نہ گزرا، اسی طرح اگر بیع نہ ٹھہری اور روپیہ واپس لے لیا اور سال تمام سے پہلے کُل یا بعض خرچ ہوگیا تو اُس سے بھی تعلق نہ رہا تمامی سال پر جو باقی رہے اُسے دیکھیں گے کہ ۵۶ روپیہ یا ۵۶ زائد ہے تو اُس پر ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی' اور اگر سال تمام پر ۵۶ سے بھی کم رہے تو کچھ نہیں کہ اگرچہ ابتداء میں نصاب بلکہ نصاب سے زائد کا مالک تھا مگر سال نہ گزرنے پایا کہ نصاب سے کم ہوگیا تو وجوبِ زکوٰۃ کا محل نہ رہا اور اگر سال تمام تک یعنی جب سے یہ شخص مالکِ نصاب ہُوا سال پُورا ہونے تک نہ بیع ٹھہری نہ روپیہ واپس ہُوا

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ حاجی عبدالغفار وپسران تاجرانِ کتب ارگ بازار قندھار ۲/ ۹۱

بلکہ مالکِ مکان پر قرض ہی رہا تو اب اس پر کہ خود نصاب بلکہ چند نصاب ہیں اور اس کے سوا اور جو نقد اُس وقت موجود ہو، غرض جس قدر روپیہ یا سونا یا چاندی حاجاتِ اصلیہ سے فاضل مِلک میں ہے خواہ شروع سال زکوٰۃ سے تھا خواہ بیچ میں ملا اُس سب پر زکوٰۃ واجب ہُوئی، جو نقد ہے اس پر تو واجب کے ساتھ وجوبِ ادا بھی ہوگیا فی الحال دی جائے، اور جو قرض ہے اس پر ہنوز وجوبِ ادا نہیں وصول پانے پر ہوگا خواہ روپیہ ہی وصول ہو یُوں کہ بیع نہ ٹھہری اور روپیہ واپس ملے خواہ بیع ہوکر قیمت میں مجرا ہو جائے کہ یہ بھی وصول پالینا ہے، پھر از انجا کہ قرض دینِ قوی ہے اور صورتِ مسئولہ میں ابتدائے نصاب مالِ نقد سے ہے کہ اُسی پر سالِ زکوٰۃ شروع ہُوا، اس سالِ تمام پر یا اُس کے بعد جو رقم قرض سے وصول ہوگی اُسے دیکھا جائے گا کہ خمس نصاب یعنی [illegible] کے پانچویں حصّے یعنی [illegible] ۲½ پائی سے کم ہے یا نہیں، اگر کم ہے اور کوئی مالِ نقد نہ اُس وقت موجود نہ سالِ رواں کے ختم پر آکر ایسا ملا جو اس رقم وصول سے مل کر خمس نصاب ہوجاتا تو اس کی زکوٰۃ دینی اصلاً واجب نہ ہوگی نہ سالِ گزشتہ کے لیے، نہ رواں کے لیے، اور اگر ایسا مالِ نقد پایا جائے تو اسے اُس کے ساتھ ملا دیں گے، پھر اگر عین سالِ تمام کے وقت وصول ہُوا تو خود روز وصول، ورنہ سالِ تمام رواں پر جو باقی ہوگا اس پر یہ حکم لگائیں گے کہ ہر خمس نصاب پر اُس کا چالیسواں حصّہ واجب الادا، اور خمس سے کم پر کچھ نہیں، اور اگر رقم وصول مذکور خمس نصاب سے کم نہیں تو جس قدر برس اس پر حالتِ دین میں گزرے ہوں اُن سب کی زکوٰۃ دینا آئے گی جب تک زکوٰۃ نکالتے نکالتے خمس نصاب سے کم نہ رہ جائے۔ پھر بہر حال جس قدر خمس سے کم رہے گا اُس کا وہی حکم ہے کہ اور مالِ نقد ہو تو اس کے ساتھ ملا کر تمام رواں پر حکم دیکھا جائے گا، ورنہ کچھ نہیں، سب صورتوں کی مثال لیجئے، مثلاً ۲۵ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۰ھ کو تین سو درم شرعی کا مالک ہوا اس وقت سے سالِ زکوٰۃ شروع ہوگیا، یہ سب روپے وسطِ سال میں کسی کو قرض دے دیئے خاص سالِ تمام کے دن اُن سے اُنتالیس درم شرعی وصول ہُوئے اور آج کچھ نقد اس کی مِلک نہیں تو ان انتالیس درم پر بھی کچھ دینا نہ آئے گا کہ یہ خمس نصاب یعنی چالیس درم سے کم ہیں اور اگر سالِ تمام سے پہلے مثلاً ۲۴ ذی الحجہ سنہ ۴۱ھ کو یا شروع سال میں مالکیت دن کے بارہ بجے ہوئی تھی اب ۲۵ ذی الحجہ سنہ ۴۱ھ کو بارہ بجے سے ایک لحظہ پہلے انتالیس درم کہیں اور سے مل گئے اور اُسی وقت ایک درم اس قرض میں سے وصول ہوا تو اسے اُن انتالیس درم میں ملا دیں گے، اب یہ چالیس درم ہو گئے کہ خمس کامل ہے تو ایک درم دینا واجب آیا اور اگر اسی صورت میں مثلاً قرض میں سے بھی انتالیس درم وصول ہوئے کہ نقد موجود سے مل کر اٹھتر درم ہوگئے تو بھی ایک ہی درم کہ ایک خمس کامل یعنی چالیس درم کی زکوٰۃ ہے واجب الادا ہوگا، باقی اڑتیس درم زائد کہ خمس سے کم ہیں سالِ تمام آئندہ کے انتظار میں رہیں گے اور اگر سرے سے فرض کیجئے کہ شروع سال زکوٰۃ کو پانچ سال کامل گزر گئے اُس وقت تک کچھ نہ ملا اُس کے بعد چوالیس درم

قرض سے وصول ہوئے اور اُن کے سوا اور کچھ نقد نہیں تو اس رقم میں صرف ایک خمس نصاب سے اُوپر کے چار درہم زیادہ ہیں، یہ خمس پانچ برس تک فرض تھا تو ہر سال کی بابت ایک درم دینا واجب ہُوا پانچ درم زکوٰۃ دیے اور اگر اسی صورت میں تینتالیس درم وصول ہوئے تو چار ہی درم زکوٰۃ دینا واجب ہوگی کہ جب بابت سالِ اول ایک درم زکوٰۃ کا ان للعہ پر ڈالا تو سالِ دوم کے لیے عللعہ رہے ان پر ایک درم اس سال کا ڈالا، سوم کے لیے لہ للعہ رہے، چہارم کے لیے للعہ، تو یہ چار درم واجب الادا ہوئے، پنجم کے لیے صرف لعہ ہی رہ گئے کہ خمس سے کم ہیں ان پر کچھ نہیں، اسی طرح اگر عللعہ وصول ہوتے تو تین ہی درم دینے آتے اور لہ للعہ تو دو اور للعہ تو ایک ہی اور للعہ للعہ سے زیادہ پانچ ہی دینے ہوں گے جب تک پُورے اسّی تک نہ پہنچیں اسی پر چھ لازم آئیں گے، پہلے سال دو خمس کے دو درم، اب سالِ دوم میں اٹھتر رہ گئے کہ ایک ہی خمس کامل ہے، تو باقی چار سال میں ایک ہی ایک لازم آیا، یُوں ہی بیاسی وصول ہوں تو سات دے گا کہ دو سال تک دو خمس کامل رہے، چوراسی پر آٹھ، چھیاسی پر نو، اور اٹھاسی سے زیادہ سب پر دس، جب تک ایک سو بیس کامل نہ ہوں۔ پھر ایک سو بیس پر گیارہ وعلٰی ہذا القیاس۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کچھ نقد نہ ہو، ورنہ اس کے ساتھ ملا کر حساب لگائیں گے، مثلاً تینتالیس وصول ہونے پر چار درم لازم آتے تھے، اگر نقد ایک درم بھی موجود ہے تو پُورے پانچ آئیں گے کہ اُس کے ساتھ مل کر چوالیس ہوگئے اور چوالیس پر پانچ لازم تھے وقس علی ہذا۔ پھر بہر صورت جو فاضل بچا وہ سال تمام آئندہ کا انتظار کرے گا، یہ ہے جو کلماتِ علماء سے فہم فقیر میں آیا،

وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی باحکامہ علیم۔

میں امیدوار ہوں کہ یہ ان شاء اللہ تعالٰی صواب ہے اور اللہ تعالٰی اپنے احکام کو خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

الدیون تجب زکوتها اذا تم نصابا بنفسه او بما عنده مما یتم به النصاب وحال الحول ولو قبل قبضه فی القوی والمتوسط لکن لا فورا بل عند قبض اربعین درهما من القوی کقرض فکلما قبض اربعین درهما یلزمه درهم وعند قبض مائتین من متوسط، و

قرضوں پر زکوٰۃ لازم ہے جب خود نصاب ہوں یا اپنے پاس جو کچھ ہے اس سے مل کر نصاب بن جائیں اور اس پر سال گزر جائے اگرچہ قوی اور متوسط میں قبضہ سے قبل گزرے لیکن فی الفور نہیں بلکہ قوی میں چالیس درہم کے قبضہ پر جیسے قرض قوی ہے پس جب بھی چالیس دراہم پر قبضہ ہوگا ایک درہم لازم ہوگا اور متوسط میں دوسو درہم کے قبضہ پر۔

فی البدائع قال الکرخی هذا اذا لم یکن له مال سوی الدین والافما قبض منه فھو بمنزلة المستفاد فیضم الی ما عندہ وکذلک فی المحیط[1] اھ ملتقطاً۔

بدائع میں ہے امام کرخی نے فرمایا یہ تب ہے جب دین کے علاوہ اس کے پاس مال نہ ہو، اور اگر مال ہو تو جتنے حصے پر قبضہ ہوگا وہ بمنزلہ منافع ہوگا اپنے پاس موجود مال سے اسے ضم کیا جائے گا، اور محیط میں بھی اسی طرح ہے اھ ملتقطاً (ت)

نیز ردالمحتار میں ہے :

ذکر فی المنتقی رجل له ثلثمائة درھم دین حال علیھا ثلثة احوال فقبض مائتین فعند ابی حنیفة یزکی للسنة الاولٰی خمسة وللثانیة والثالثة اربعة اربعة عن مائة وستین ولاشئ علیه فی الفضل لانه دون الاربعین[2]۔

منتقی میں ہے کہ ایک شخص کا تین سو درہم دین ہے اور اس پر تین سال گزر گئے اُسے دو سو درہم وصول ہوئے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک پہلے سال کے پانچ اور دوسرے و تیسرے سال کے چار چار درہم ایک سو ساٹھ دراہم پر ہونگے اور چالیس سے کم زائد پر کچھ نہیں۔ (ت)

اسی میں محیط سے ہے :

لوکان له الف علی معسر فاشتری منه بھا دینارا ثم وھبه منه فعلیه زکٰوة الالف لانه صار قابضا لھا بالدینار[3] اھ۔

اگر کسی تنگدست پر ہزار درہم قرض ہے تو اس سے ایک دینار خرید کر پھر اسے ہبہ کردیا تو اب زکٰوۃ ہزار ہی کی ہے کیونکہ وہ دینار کی وجہ سے ہزار ہی کا قابض متصور ہوگا اھ (ت)

شرح نقایہ قہستانی میں ہے :

یضم الحادث ولو قبیل اٰخر الحول لانه قبل وقت الوجوب[4] اھ۔

نئے مال کو شامل کیا جائیگا اگرچہ سال کے آخر سے تھوڑا سا پہلے ملا ہو کیونکہ یہ وقتِ وجوب سے پہلے ہے اھ (ت)

---

[1] ردالمحتار مع درمختار شرح تنویرالابصار باب زکٰوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/۳۸ تا ۴۰
[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۲/۳۸
[3] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۲/۴۰
[4] جامع الرموز کتاب الزکٰوۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/۳۱۶

ادا نہ کرنے کی حالت میں جو مواخذہ زکوٰۃ نہ دینے پر ہے اس کا سزاوار ہوگا معاذ اللہ معاذ اللہ، وہ نہ ہلکا ہے نہ قابلِ برداشت۔ اس کے بارے میں کچھ آیات و احادیث فقیر کے رسالہ اعزالاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ (۱۳۰۹ھ) میں مذکور ہوئیں، اُن میں بعض کا خلاصہ یہ کہ جس سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دی جائے روزِ قیامت جہنم کی آگ میں تپا کر اُس سے اُن کی پیشانیاں، کروٹیں، پیٹھیں داغی جائیں گی۔ اُن کے سر پستان پر جہنم کا گرم پتھر رکھیں گے کہ چھاتی توڑ کر شانے سے نکل جائیگا اور شانے کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینے سے نکل آئے گا، پیٹھ توڑ کر کروٹ سے نکلے گا، گُدی توڑ کر پیشانی سے اُبھرے گا۔ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے گی روزِ قیامت پرانا خبیث خونخوار اژدہا بن کر اُس کے پیچھے دوڑے گا، یہ ہاتھ سے روکے گا، وہ ہاتھ چبالے گا، پھر گلے میں طوق بن کر پڑے گا، اُس کا مُنہ اپنے منہ میں لے کر چبائے گا کہ میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ۔ پھر اس کا سارا بدن چبا ڈالے گا۔ والعیاذ باللہ رب العالمین، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۹

۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی رخصت جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ میں ہوئی اور اُس وقت وُہ جہیز کی مالک ہوئی، اس سے پہلے مالک نہ تھی، اس وقت اس کی مِلک میں زیور طلائی لہ ۹ بھر تولے تھا اور زیور نقرئی ماعہ روپیہ بھر، اسی قدر اخیر عُمر تک اس کے پاس رہا، تین سال دس ماہ تیئیس دن کے بعد ربیع الآخر شریف ۱۳۱۹ھ میں ہندہ نے انتقال کیا، اُس وقت اُس کے پاس چار عدد طلائی اور تھے، ایک ساڑھے تولہ گیارہ ماشہ کا جس کی دس ماہ پیش از مرگ مالک ہوئی، دوسرا دو تولے کا کہ موت سے ڈیڑھ سال پہلے ملا تھا، تیسرا چار تولے کا دو سال پہلے، چوتھا پانچ تولے کا تین سال پہلے، اس صورت میں ہندہ پر زکوٰۃ کس قدر ہوئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہندہ پر تین سال زکوٰۃ واجب ہوئی کہ چوتھے سال میں ایک ماہ ساٹھ روز باقی تھے کہ اس نے وفات پائی مال کہ وقتِ رخصت ملا اُس پر تینوں برسوں کی زکوٰۃ ہے، یُوں ہی چوتھا عدد پانچ تولے کا جب مرگ سے تین سال پہلے ملا تو رخصت کے ۱۰ ماہ ۲۳ دن بعد، بالجملہ پہلے سالِ تمام سے پہلے پایا تو وُہ بھی مالِ اوّل میں شامل ہُوا اور تینوں سال کی زکوٰۃ اس پر آئی، اور یہیں سے واضح ہوا کہ تیسرے عدد پر دو سال اخیر کی زکوٰۃ ہے اور دوسرے پر ایک ہی برس کی اور پہلے پر اصلاً نہیں، تو سونے میں حاصل ملک ہندہ باعتبار ہر سال یہ ہوا سالِ اول ۹ بر ما دوم للعہ سوم ۹ بر ما صورتِ مسئولہ میں جبکہ ہندہ اسی قدر مال کی مالک تھی اور زکوٰۃ تینوں سال نہ دی تو ہر پہلی زکوٰۃ کا دین سالِ مابعد کے مال سے مجرا ہوتا رہا واجب سالِ اوّل طلائی ۱۱ ماشہ ۲ سرخ نقرہ تین روپیہ بھر اور

اور تین ماشے تین سرخ مال سال دوم سے استثنا کیا تو سال دوم طلا للعہ ۱۰/۱۳ ۲ سرخ رہا واجب ۱۱ ماشہ ۷ سرخ ۵ ۱/۵ چاول، اور نقرہ ما عہ ۸ ماشہ ۴ سرخ رہا، واجب تین روپے بھر ۲ ما ۸ ۴ سرخ ۳ ۳/۵ چاول، سال سوم طلا واجب دو سال ایک تولہ ۱۱ ماشے ۱ سرخ ۵ ۱/۵ چاول، نقرہ واجب دو سال سے روپے بھر ۵ ماشہ ۶ سرخ ۳ ۳/۵ چاول منہا کرکے باقی طلا للعہ ۱۰/۱۳ ۲ سرخ ۲ ۲/۵ چاول، واجب ایک تولہ ۲ سرخ ۴۴/۱۰۰ چاول نقرہ ما عہ روپیہ بھر ۵ ماشہ ۲ سرخ ۳ ۲/۵ واجب ۳ روپیہ بھر ایک ماشہ ۳ سرخ ۲ ۱۳۷/۲۰۰ چاول جمیع واجب سہ سالہ طلا ۲ تولے ۱۱ ماشے ۳ سرخ ۵ ۹۶/۱۰۰ چاول یعنی ۲ تولے ۱۱ ماشے ۳ رتی ۵ چاول اور ایک چاول کے سو حصوں سے ۹۶ حصے نقرہ لعہ تولہ ۶ ماشہ ۲ سرخ ۷ ۵۵/۲۰۰ یعنی نو روپیہ بھر اور ۷ ماشے ۲ رتی ۷ چاول اور چاول کے دو حصوں سے ستاون حصے، یہ سب مذہب صاحبین پر ہے اور مذہب امام پر کچھ کمی خفیف ہو جائے گی، سائل اس پر راضی نہ ہو اور تخفیف ہی چاہے تو یہ ضرور ہے کہ تینوں برس ہر سال تمام کے صحیح تاریخ پر سونے اور چاندی کا صحیح نرخ بازار دریافت کرکے بتائیے نیز یہ کہ کس کس عدد کی قیمت بوجہ صنعت اپنے وزن سے کس کس قدر زائد ہے بے اس کے حساب ناممکن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از بنگالہ ضلع سلہٹ پرگنہ بجواڑہ موضع ناران گولہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی ایک سو روپے کی زکوٰۃ دے کر مدفون کیا پھر دوسرے سال میں زکوٰۃ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا کتاب یوم الحساب۔ فقط

الجواب

ہر برس ضرور ہے جب تک کل مال زکوٰۃ جو اس کی ملک ہے حقیقۃً یا حکماً نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ سونے یا ساڑھے باون تولہ چاندی یعنی انگریزی چھپن روپے سے کم نہ ہو جائے، حقیقۃً کم ہو جانا یہ کہ زکوٰۃ وغیرہ میں صرف کرتے کرتے خواہ کسی اور طور سے گھٹ جائے اور حکماً یہ کہ ہر برس زکوٰۃ واجب ہوتی رہی اور ادا نہ کی کہ ہر سال زکوٰۃ کا دین اس پر چڑھتا رہا یہاں تک کہ مال زکوٰۃ قدر نصاب نہ رہا مثلاً صرف یہی سو روپے، مگر اس کے پاس مال زکوٰۃ تھا اور یہی رہا اور مال زیادہ نہ ہوا تو اب پہلے سال تمام پر بربنائے مذہب صاحبین ڈھائی روپے واجب ہوئے مگر اس نے ادا نہ کی، دوسرے سال تمام پر زکوٰۃ صرف ۹۷ روپے ۸ آنے رہی کہ ۲ روپے ۸ آنے دین زکوٰۃ سال گزشتہ میں مشغول ہیں اس سال ۲ روپے ۷ آنے واجب ہوئے، تیسرے سال تمام پر دو سال گزشتہ کا دین زکوٰۃ ۴ روپے ۱۵ آنے مستثنیٰ ہو کر فقط پچانوے روپے ایک آنہ پر زکوٰۃ آئی کہ ۲ روپیہ چھ آنے اور ایک پیسے کی چاندی کا دسواں حصہ ہوا وعلیٰ ہذا القیاس جب گھٹتے گھٹتے ۵۶ روپے سے کم رہ جائے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

فی الدرالمختار سبب افتراضھا ملک نصاب حولی فارغ من دین لہ مطالب من جہۃ العباد کزکوٰۃ وخراج[1] اھ ملخصًا وفی الہندیۃ رجل لہ الف درھم لامال لہ غیرھا استاجر بھا دارا عشر سنین لکل سنۃ مائۃ فدفع الالف ولم یسکنھا حتی مضت السنون والدار فی ید الاٰجر یزکی الاٰجر فی السنۃ الاولٰی عن تسع مائۃ وفی الثانیۃ عن ثمان مائۃ الا زکٰوۃ السنۃ الاولٰی ثم یسقط لکل سنۃ زکٰوۃ مائۃ اخرٰی وما وجب علیہ بالسنین الماضیۃ الخ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا سبب ایسے نصاب کا مالک ہونا ہے جس پر سال گزرا ہو اور وہ ایسے دین سے فارغ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو مثلاً زکوٰۃ، خراج وغیرہ اھ تلخیصًا۔ ہندیہ میں ہے ایک آدمی کے پاس ہزار دراہم ہیں اس کے علاوہ کوئی مال نہیں اس نے ان کے عوض دس سال تک گھر کرایہ پر لے لیا کہ ہر سال کے عوض ایک صد درہم ادا کرے گا' اس نے ہزار درہم دے دیے مگر اس گھر میں وہ کسی سال تک رہائش پذیر نہ ہوا اور گھر آجر کے پاس ہی رہا، تو آجر پہلے سال نوسو کی، دوسرے سال آٹھ سو کی، مگر گزشتہ سال کی زکوٰۃ کی مقدار نکال کر، پھر ہر سال ایک سو اور وہ جو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی مقدار ہو، سالانہ ساقط ہوتی جائے گی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۱ ۶ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے جس مالِ تجارت پر ایک مرتبہ زکوٰۃ ادا کردی پھر دوسرے سال اس پر زکوٰۃ دینا نہ چاہیے بلکہ اس کے نفع پر زکوٰۃ دینا چاہیے۔ بینوا توجروا

الجواب

مالِ تجارت جب تک خود یا دوسرے مالِ زکوٰۃ سے مل کر قدرِ نصاب اور حاجتِ اصلیہ مثل دینِ زکوٰۃ وغیرہ سے فاضل رہے گا ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی زید کا بیان محض غلط ہے تشہد بہ الکتب قاطبۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۲ تا ۵۴ مسئولہ محمد صبور سوداگر میز کرسی بریلی متصل کرلّہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص نے اپنی تجارت کے آغاز کے وقت یہ قرار دیا کہ جو منافع ہوگا اس کا سولھواں حصہ اللہ نام

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی القرض نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۲-۱۸۱

صرف کرے گا، قبل معلوم ہونے منافع کے اُس نے ہر موقع کارِ خیر میں صرف کرنا شروع کیا، وقت کرنے حساب کے منافع کی تعداد کا سولھواں حصّہ کم نکلا اُس صرف سے جو وُہ کارِ خیر میں صرف کر چکا، یہ فاضل روپیہ بعدِ زکوٰۃ داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص حق الخدمت کے ساتھ ایک تجارت میں شریک ہے، قبل حاصل ہونے منافع کے اس تجارت سے بتدریج اپنے صرف کے واسطے لیتا رہا، وقت معلوم ہونے منافع کے وہ قرضہ رتجارت کا تھا، جو منافع اس کے نامزد ہُوا وُہ قرضہ میں داخل کیا، اس حالت میں اس منافع کی زکوٰۃ اس کے ذمّہ عائد ہے یا نہیں؟

(۳) ایک شخص نے وقت شروع کرنے تجارت کے دیگر شخص سے جو اُس کی تجارت میں شرکت روپے کے ساتھ دینا چاہتا تھا ظاہر کیا کہ میں وقت چھٹے کے (معلوم کرنا منافع کا) پہلے زکوٰۃ نکال دیتا ہُوں بعدہٗ منافع تقسیم کیا جاتا ہے، اُس دیگر شخص نے اس بات کو پسند کیا اور روپیہ کے ساتھ منافع میں برابر کا شریک ہوا، اس بات کے ظاہر کرنے سے کیا اس کے ذمّہ اس کے روپیہ کی بھی زکوٰۃ عائد ہوگی یا صرف منافع کی رقم رہی جو طرفین کے حصّہ سے خرچ میں داخل ہوتی ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

(۱) جبکہ بہ نیت زکوٰۃ وُہ دینا نہ تھا تو جو زائد دیا گیا زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہو سکتا، ہاں آئندہ سال کے اُس سولھویں حصّہ میں مجرا ہو سکتا ہے جو اس نے اللہ عزّ وجل کے لیے دینا ٹھہرا رکھا ہے، مثلاً اس وقت دس روپیہ زیادہ پہنچے اور آئندہ سال منافع کا سولھواں حصّہ سو روپے ہو تو اُسے اختیار ہے کہ یہ دس اس میں محسوب کرکے نوّے روپے دے۔

(۲) نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) دوسرے کی زکوٰۃ اس کے ذمّہ عائد نہیں ہو سکتی، ایک پر اُس کے حصّہ کی زکوٰۃ لازم ہے، اور زکوٰۃ صرف منافع مالِ تجارت پر نہیں ہوتی، جس طرح مکان زمین دکان کے صرف منافع پر ہوتی ہے یہاں ایسا نہیں بلکہ کل مالِ تجارت پر لازم ہوتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از محلہ چاہ باقی مسئولہ حافظ محمد صادق مختار عام منشی رحیم داد خاں صاحب تحصیلدار ۵ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مالک ہے جائداد زمینداری وغیرہ کا اور اس کی آمدنی مختلف اوقات میں وصول ہوتی رہتی ہے اور مالگزاری و نیز دیگر اخراجات میں خرچ ہوتی رہتی ہے اور ایسی صورت میں حساب سالانہ انگریزی ماہِ اکتوبر سے شروع ہوتا ہے اور ماہِ ستمبر میں ختم کیا جاتا ہے لہذا جو رقم بعد اخراجات کے آخر سال پر باقی رہتی ہے اس پر زکوٰۃ کب واجب ہوگی؟ کس وقت اس کو ادا کرنا چاہئے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

ستمبر اکتوبر کا اعتبار حرام ہے، نہ اس کے اوقاتِ آمدنی پر لحاظ، بلکہ سب میں پہلی جس عربی مہینے کی جس تاریخ جس گھنٹے منٹ پر وہ ۵۶ روپیہ کا مالک ہوا اور ختم سال تک یعنی وہی عربی مہینہ وہی تاریخ وہی گھنٹہ منٹ دوسرے سال آنے تک اُس کے پاس نصاب باقی رہا وہی مہینہ تاریخ منٹ اُس کے لیے زکوٰۃ کا سال ہے۔ آمدنی کا سال کبھی سے شروع ہوتا ہو اُس عربی مہینہ کی اُس تاریخ منٹ پر اُس کی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۵۶ از شہر بریلی اسٹیشن ریلوے سٹی آر، کے، آر نعمت حسین دراپور ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عرصہ تخمیناً بیس سال سے ریلوے کمپنی کے یہاں ملازم ہے اور ریلوے اپنے قاعدے کے موافق بشمول دیگر ملازمان کے زید کی تنخواہ ماہواری سے ایک آنہ چار پائی فی روپیہ بطور ضمانت مجرا کرلیتی ہے اور بعد چھ ماہ کے اُس روپے کو کسی دوسری تجارت وغیرہ میں لگا دیتی ہے، درصورت نفع و نقصان کے رسدی کمی بیشی کرکے پھر ششماہی پر رسید دے دیتی ہے، ابتدا میں ایک روپیہ دو آنہ مجرا ہوتا تھا، جُوں جُوں تنخواہ میں ترقی ہوتی گئی اُس میں بھی اضافہ ہوتا گیا، چنانچہ اب مبلغ تین روپے ماہوار مجرا کیا جاتا ہے اور اب اصل تعداد مبلغ پانچسو کی ہوگئی ہے اور کُل تعداد ایک ہزار سے زائد ہوگئی ہے جس وقت زید ملازمت سے علیحدہ ہوگا اُس وقت اُس کو اور اُس کے ورثا کو وصول ہوگا بشرطیکہ میعادِ ملازمت اچھے طریقے پر ختم ہو جائے اور کوئی قصور وغیرہ واقع نہ ہو مگر پانچسو روپے جو اصل ہے اُس میں کسی طرح اندیشہ نہیں ہے سوا اس کے کہ درمیان ملازمت کے روپے کا وصول ہونا ناممکن ہے جب تک ملازمت سے مستعفی نہ ہو، از رُوئے شریعت اُس روپے پر زکوٰۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس وقت سے دی جائیگی؟ اصل تعداد پر دی جائے گی یا کُل روپے پر؟ اور نصاب زکوٰۃ کس قدر اور اس پر مقدار زکوٰۃ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب سے وُہ اصلی روپیہ خود یا مع اور زکوٰتی مال کے جو زید کے پاس ہے، قدر نصاب یعنی ۵۶ روپے تک پہنچا اور حوائجِ اصلیہ سے بچ کر اُس پر سال گزرا اُس وقت سے اُس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور سال بسال جدیدہ زکوٰۃ واجب ہوتی رہی، ہاں اگلے سال کی جتنی زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اس سال جمع میں سے اُتنا کم کرلیں گے کہ اتنا اس پر اللہ عزّوجلّ کا دین ہے باقی مع جدید مقدار سال حال پر زکوٰۃ آئے گی، تیسرے سال کی جمع میں سے دو برس گزشتہ کی زکوٰۃ واجب شدہ مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ شامل کریں گے، اس قدر پر زکوٰۃ آئے گی، چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ شامل کریں گے اس قدر پر زکوٰۃ آئے گی، چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا اور امسال کا اضافہ شامل ہوگا، اخیر تک یونہی کرینگے،

تجارت میں وُہ روپیہ اگر اس کی اجازت سے لگایا جاتا ہے تو اس کا منافع شامل ہوگا اس طور پر زکوٰۃ سال بسال واجب ہوا کرے گی، مگر اس روپیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا اس وقت لازم ہوگا جب وُہ وصول ہوگا، اور جو اضافہ کمپنی سُود کے طریقے پر کرتی ہے اُس پر کبھی زکوٰۃ نہ ہوگی، نہ وہ اس کی ملک ہے نہ اُسے سُود کی نیت سے کسی طرح جائز ہے، ہاں بعد ختم اگر کمپنی بطور خود اس کو وُہ اضافہ دے اور کمپنی میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو تو یہ اُس اضافہ کو اس نیت سے لے سکتا ہے کہ ایک غیر مسلم جماعت ایک مال بخوشی دیتی ہے، یُوں مال مباح سمجھ کر لے سکتا ہے سُود کی نیت نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از کوسی کلاں ضلع متھرا مرسلہ اللہ مہر ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ اعلان سے دینا بہتر ہے یا خفیہ طور سے؟ بینوا توجروا

الجواب

زکوٰۃ اعلان کے ساتھ دینا بہتر ہے، اور خفیہ دینا بھی بے تکلف روا ہے، اور اگر کوئی صاحب عزت حاجتمند ہو کہ اعلانیہ نہ لے گا یا اس میں سبکی سمجھے گا تو اُسے خُفیہ ہی دینا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از سیدپور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مرسلہ آغا زعلی خاں ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

تجارت کے سرمایہ اصلی پر یعنی اس کی لاگت پر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا منافع پر؟

الجواب

تجارت کی نہ لاگت پر زکوٰۃ ہے نہ صرف منافع پر، بلکہ سال تمام کے وقت جو زر منافع ہے اور باقی مالِ تجارت کی جو قیمت اس وقت بازار کے بھاؤ سے ہے اُس پر زکوٰۃ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ مسئولہ حافظ محمود حسین صاحب ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ

زید نے بکر کو کچھ دیا اور کہا اس کو مساکین کو جہاں مناسب سمجھو دے دیجیو، اگر زید خود اس کا مصرف ہو اپنے اوپر اس کو صرف کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جس کے مالک نے اُسے اذنِ مطلق دیا کہ جہاں مناسب سمجھو، دو، تو اسے اپنے نفس پر بھی صرف کرنے کا اختیار حاصل ہے، جبکہ یہ اس کا مصرف ہو۔ ہاں اگر یہ لفظ نہ کہے جاتے تو اُسے اپنے نفس پر صرف کرنا جائز نہ ہوتا مگر اپنی یا اولاد کو دے دینا جب بھی جائز ہوتا اگر وُہ مصرف تھے۔ درمختار میں ہے:

للوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لالنفسہ الا اذا قال ربھا	وکیل کو جائز ہے کہ اپنے نابالغ فقیر بچے اور اپنی بیوی مستحق کو زکوٰۃ دے جبکہ خود نہیں لے سکتا،

ضمھا حیث شئت[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ہاں اگر مال والے نے یہ کہا ہو کہ جہاں مناسب سمجھو خرچ کرو، تو اپنے لیے بھی جائز ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۰ تا ۶۲: از اندور سیاگنج مرسلہ طاہر محمد عبد الغنی صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں :

(۱) اگر چند اشخاص دولتمندان کئی ہزار روپے زکوٰۃ کا جمع کرکے چند معتبر لوگوں کے سپرد اس غرض سے کریں کہ وہ روپیہ حقداران زکوٰۃ کو حسب ضرورت ان کے دیا جائے۔

(۲) وہ لوگ جن کی سپردگی میں مالِ زکوٰۃ دیا گیا ہے وہ اس مال کو بڑھانے کی غرض سے تجارت میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، یا کسی تاجر کی شرکت میں شامل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) ایک ایسا شخص کہ جس کے نزدیک اپنا ذاتی مکان ہے اور اس مکان کی سالانہ آمدنی سو روپے تھی مگر بوجہ عیالدار ہونے کے اُس کا خرچ تین سو روپے سالانہ ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کے مال سے امداد دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱ و ۲) ان لوگوں پر فرض ہے کہ وہ روپیہ مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کردیں اُس سے تجارت کرنا ان کو حرام ہے جب تک اذنِ جملہ مالکان نہ ہو، اور مالکوں کو بھی جائز نہیں کہ اگر اُن پر زکوٰۃ کا پورا سال ہوچکا ہو تو زکوٰۃ روکیں اور تجارت کے منافع حاصل ہونے پر ملتوی کریں۔ سالتمام پر زکوٰۃ فوراً فوراً ادا کرنا واجب ہے۔ ہاں جس نے پیشگی دیا ہُوا بھی سال تمام اُس پر نہ آیا ہو وہ سال تمام آنے تک ٹھہر سکتا ہے، پھر اگر یُوں کرے کہ مثلاً ہزار روپے سال آئندہ کی زکوٰۃ کی نیت سے تجارت میں لگا دے کہ ان سے جو نفع ہو وہ بھی مع ان ہزار کے فقراء کو دے گا تو یہ نہایت محبوب عمل ہے،

وفیہ حدیث من نزیح شعیر اجرۃ الاجیر وحصل منہ اموالا فلما جاء الاجیر سلم کلھا الیہ ففرج اللہ بہ منہ وھم اصحاب الرقیم رضی اللہ تعالٰی عنھم[2]۔

اس بارے میں حدیث ہے کہ جس نے مزدور کی اُجرت جَو کو بویا اور اس سے جو اموال حاصل ہوئے جب مزدور آیا تو وہ تمام اموال اسے دے دئے، تو اللہ تعالٰی نے انھیں (رضی اللہ عنہم) کو راستہ دیا جبکہ غار میں پھنس گئے تھے اور وہ اصحاب کہف ہیں (ت)

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[2] صحیح مسلم باب قصہ اصحاب الغار الثلثۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۵۳

مگر یہ ضرور ہے کہ اگر تجارت میں نقصان ہو تو وہ نقصان فقراء پر نہیں ڈال سکتا، اُن کو سال تمام پر پورے ہزار دینے لازم ہوں گے۔

(۳) ہاں اُسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں اگرچہ اُس کی حاجت سکونت کا مکان ہزار روپے کا ہو یا کرائے پر چلا لے کہ مکان سے ہزار روپے سالانہ آتا ہو اور اُس کا ضروری مصارف ونفقہ اہل وعیال سے اتنا نہ بچتا ہو کہ وہ اپنی حاجت اصلیہ سے فارغ ۵۶ روپے کا مالک ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوکان لہ حوانیت او دار غلۃ تساوی ثلثۃ الاف درھم وغلتھا لاتکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ الیہ فی قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی ولو کان لہ ضیعۃ تساوی ثلثۃ الاف ولا تخرج مایکفی لہ ولعیالہ اختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ ھکذا فی فتاوٰی قاضیخان۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر کسی شخص کی دکانیں اور کرایہ کی جگہ ہے جو تین ہزار دراہم کے مساوی ہیں لیکن کرایہ اس کے اور اس کے عیال کے لیے کافی نہیں تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز ہے، اور اگر اس کی زمین ہے جو تین ہزار کے مساوی ہے لیکن اس سے اتنی پیداوار نہیں ہوتی جو اُس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے کافی ہو تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، محمد بن مقاتل کہتے ہیں کہ اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۳ ، ۶۴: مرسلہ محمد قاسم صاحب از مقام گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین ذیل کے مسئلوں میں:

(۱) ایک شخص نے چالیس یا پچاس ہزار کے مکانات اپنی حاجات سے زیادہ صرف کرایہ وصول کرنے کی غرض سے خرید کیے، آیا اس صورت میں حاجت سے زیادہ مکانات میں ان کی قیمت کے اوپر زکوٰۃ فرض ہے یا جو کرایہ آتا ہے اس کے اوپر ہے؟

(۲) جو صاحب مکان کی زینت کے لیے تانبے، پیتل، چینی وغیرہ کے برتن خرید کر کے مکان کو سجاتا ہے اور کبھی وہ برتن استعمال میں بھی آتے ہیں اور کبھی نہیں بھی آتے ہیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸۹

الجواب

(۱) مکانات پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں، کرایہ سے جو سال تمام پر پس انداز ہوگا اس پر زکوٰۃ آئے گی اگر خود یا اور مال سے مل کر قدر نصاب ہو۔

(۲) برتن وغیرہ اسباب خانہ داری میں زکوٰۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپے کے ہوں، زکوٰۃ صرف تین چیزوں پر ہے، سونا، چاندی کیسے ہی ہوں، پہننے کے ہوں یا برتنے کے یا رکھنے کے، سکہ ہو یا ورق۔ دوسرے چرائی پر چھوٹے جانور۔ تیسرے تجارت کا مال۔ باقی کسی چیز پر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۵ از بدایوں خانہ اسسٹنٹ کمشنر ، ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

ایک شخص کے پاس مال زکوٰۃ کے قابل ہے، اُس نے سال گزشتہ کے بعد یکمشت روپیہ مسلمان محتاج کو دیا لیکن اس نے زکوٰۃ کی نیت بروقت دینے کے نہ کی، نہ اس کے دل میں خیال آیا کہ زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، بعد کو خیال آیا ہو تو یہ دیا ہوا روپیہ زکوٰۃ میں داخل ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر یہ مال کہ محتاج کو دیا خالص بہ نیت زکوٰۃ الگ کر رکھا تھا یعنی اس نیت سے جدا کرکے رکھ چھوڑا کہ اسے زکوٰۃ میں دیں گے تو جس وقت اس میں سے محتاج کو دیا گیا زکوٰۃ ادا ہوگئی اگرچہ دیتے وقت زکوٰۃ کا خیال نہ آیا اور ایسا نہ تھا تو وہ مال جب تک محتاج کے پاس موجود ہے اب اس میں زکوٰۃ کی نیت کرلے صحیح ہو جائے گی، اور اگر اس کے پاس نہ رہا تو اب نیت نہیں کرسکتا، یہ مال خیرات نفل میں گیا زکوٰۃ جدا ادا کرے۔ درمختار میں ہے:

شرط صحۃ ادائھا نیۃ مقارنۃ للاداء ولوکانت المقارنۃ حکما کما لو دفع بلا نیۃ ثم نوی والمال قائم فی ید الفقیر اومقارنۃ بعزل ما وجب کلہ اوبعضہ ولایخرج عن العھدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء[1] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔

صحت ادائیگی زکوٰۃ کے لیے ادا کے وقت نیت کا متصل ہونا ضروری ہے خواہ اتصال حکمی ہو، مثلاً کسی نے بلانیت زکوٰۃ ادا کردی اور ابھی مال فقیر کے قبضہ میں ہو تو نیت کرلی یا کل یا بعض مال برائے زکوٰۃ جدا کرتے وقت نیت کرلی جائے، باقی جدا کرنے سے ذمہ داری پوری نہیں ہوتی بلکہ فقراء تک پہنچانے سے ہوگی اھ تلخیصاً واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

مسئلہ ۶۶ از مونگیر محلہ بتون بازار مرسلہ شیخ امداد علی صاحب ۲۱ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ قرض و دین میں لوگوں پر پھیلا ہوا اور زر وصول ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر واجب ہوگی تو فی الحال یا بعد وصول، اور کتنے وصول پر واجب ہوگی اور اس پر سال تمام کب سے لیا جائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب

دین تین قسم ہے:

اوّل قوی یعنی قرض جسے عرف میں دستگردان کہتے ہیں اور تجارتی مال کا ثمن یا کرایہ، مثلاً اُس نے بہ نیت تجارت کچھ مال خریدا وہ قرضوں کسی کے ہاتھ بیچا تو یہ دین جو خریدار پر آیا دین قوی ہے، یا کوئی مکان یا دکان یا زمین بہ نیت تجارت خریدی تھی اب اسے کسی کے ہاتھ سکونت یا نشست یا زراعت کے لیے کرایہ پر دیا، یہ کرایہ اگر اس پر دین ہوگا تو دینِ قوی ہوگا۔

دوم متوسط کہ کسی مالِ غیر تجارتی کا بدل ہو، مثلاً گھر کا غلّہ یا اثاث البیت، یا سواری کا گھوڑا کسی کے ہاتھ بیچا، یونہی اگر کسی پر کوئی دین اپنے مورث کے ترکہ میں ملا تو مذہبِ قوی پر وُہ بھی دینِ متوسط ہے۔

سوم ضعیف کہ کسی مال کا بدل نہ ہو، جیسے عورت کا مہر کہ منافع بضع کا عوض ہے، یا وُہ دین جو بذریعہ وصیت اسے پہنچا یا بسبب خلع عورت پر لازم آیا، یا مکان دکان زمین کہ بہ نیتِ تجارت نہ خریدی تھی اُن کا کرایہ چڑھا قسم سوم کے دین پر، جب تک دین رہے اصلاً زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگرچہ دس برس گزر جائیں، ہاں جس دن سے اس کے قبضہ میں آئے گا شمارِ زکوٰۃ میں محسوب ہوگا یعنی اس کے سوا اور کوئی نصابِ زکوٰۃ اسی کی جنس سے اس کے پاس موجود تھا اس پر سال چل رہا تھا تو جو وصول ہُوا اس میں ملا لیا جائے گا اور اسی کے سال تمام پر کل کی زکوٰۃ لازم ہوگی اور اگر ایسا نصاب نہ تھا تو جس دن سے وصول ہُوا اگر بقدرِ نصاب ہے اُسی وقت سے سال شروع ہوا ورنہ کچھ نہیں اور دو قسم سابق میں تجارت دین ہی سال بسال زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی مگر اُس کا ادا کرنا اسی وقت لازم ہوگا جبکہ اُس کے قبضہ میں دین قوی سے بقدرِ خمس نصاب یا متوسط سے بقدرِ کامل نصاب آئیگا یہاں کے روپے میں نصاب کامل ۵۶ روپیہ ہے اور اس کا خمس لعہ ۲۳ ۲/۵ پائی، پھر اگر دین کئی سال کے بعد وصول ہو تو ہر سال متقدم کی زکوٰۃ جو اس کے ذمہ دین ہوتی رہی وُہ پچھلے سال کے حساب میں اسی وصولی رقم پر ڈالی جائے گی، مثلاً عمرو پر زید کے تین سو درم شرعی دین قوی تھے، پانچ برس بعد چالیس درم سے کم وصول ہوتے تو کچھ نہیں اور چالیس ہُوئے تو صرف ایک درم دینا آئے گا اگرچہ پانچ برس کی زکوٰۃ واجب ہے کہ سال اوّل کی بابت ان چالیس درم سے ایک درم دینا آیا یا اب انتالیس رہ گئے کہ خمس نصاب سے کم ہے لہذا باقی برسوں کی بابت ابھی

کچھ نہیں، اور اگر تین سو درم دین متوسط تھے تو جب تک دو سو وصول نہ ہوں کچھ واجب الادا نہیں اور دو سو درم اگر پانچ برس بعد وصول ہوئے تو اکیس درم دینے ہوں گے، سال اول کے پانچ درم اب سال دوم میں مال ۱۹۵ رہ گئے تو ۳۵ کہ خمس سے کم تھے عفو ہو کر ۴ درم، سال سوم میں مال ۱۹۱ رہے اب بھی چار درم، چہارم میں مال ۱۸۷ پنجم میں مال ۱۸۳، ان پر بھی چار چار کل ۲۱ درم واجب الادا ہوئے، یونہی جب دین قوی سے خمس نصاب اور متوسط سے پورا نصاب وصول ہوتا جائیگا، اسی حساب سے اتنے کی زکوٰۃ سنین گزشتہ کی زکوٰۃ واجب الادا ہوتی جائے گی، اگر کل وصول ہوگا کل کی، پھر دین ہونے کی تاریخ سے سال اول حالت میں مانا جائے گا جبکہ اس سے پہلے اس کی کسی جنس کے نصاب کا سال رواں نہ تھا ورنہ جو دین وسط سال میں اس کا یا قوی ہوا وہ اسی مال موجود میں ملکر اس کے سال سے حساب رہے گا۔ مثلاً یکم محرم کو دو سو درم کا مالک ہوا، یکم رجب کو اس کا کوئی دین قوی یا متوسط کسی پر لازم آیا تو اس دین کا سال بھی یکم محرم سے لیں گے نہ کہ یکم رجب سے، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

الدیون عند الامام ثلثۃ قوی، متوسط ضعیف فتجب زکوتہا اذا تم نصابا (بنفسہ او بما عندہ مما یتم بہ) و حال الحول (ای ولو قبل قبضہ فی القوی و المتوسط) لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درہما من القوی کقرض و بدل مال تجارۃ فکلما قبض اربعین درہما یلزمہ درہم و عند قبض مائتین من بدل مال لغیر تجارۃ وھو المتوسط کثمن سائمۃ وعبید خدمۃ ویعتبر مامضی من الحول قبل القبض فی الاصح ومثلہ مالو ورث دینا علی رجل و عند قبض مائتین مع حولان الحول بعدہ من ضعیف و

امام صاحب کے نزدیک دیون کی تین اقسام ہیں: قوی، متوسط، ضعیف۔ دیون پر زکوٰۃ ہوتی ہے بشرطیکہ وہ خود یا مالک کے پاس موجودہ مال سے مل کر نصاب کو پہنچیں اور ان پر سال گزرا ہو اگرچہ قوی اور متوسط میں قبضہ سے پہلے ہو لیکن فوراً نہیں بلکہ قوی میں چالیس دراہم کے قبضہ پر ایک درہم ہوگا جیسا کہ قرض اور بدلِ مالِ تجارت میں ہوتا ہے تو جب بھی چالیس دراہم پر قابض ہوگا ایک درہم لازم ہوگا، غیر تجارت کے بدلے میں جو دین ہوتا ہے اسے متوسط کہا جاتا ہے اس میں سے دو سو دراہم کے قبضہ کے بعد زکوٰۃ ہوگی مثلاً سائمہ کی قیمت، خدمت والے غلاموں کی قیمت، اصح قول کے مطابق قبضہ سے قبل گزشتہ سالوں کا بھی اعتبار کیا جائیگا، اسی کی مثل وہ صورت ہے جب کوئی دین میں کسی کا وارث بنا، اور ضعیف میں دو سو کے

هو بدل غير مال كمهر و بدل خلع الا اذا كانت عنده ما يضم الى الدين الضعيف فالاولى ان يقول ما يضم الدين الضعيف اليه والحاصل انه اذا قبض منه شيئا وعنده نصاب يضم المقبوض الى النصاب و يزكيه بحوله ولا يشترط له حول بعد القبض[1] اھ ملخصا مزيدا من رد المحتار اقول والاولى في رسم الضعيف ما ليس بدل يشتمل ما ليس بدلا اصلا كالدين الموصى به في رد المحتار عن المحيط اما الدين الموصى به فلا يكون نصابا قبل القبض لان الموصى له ملكه ابتداء من غير عوض ولا قائم مقام الموصي في الملك فصار كما لو ملكه بهبة[2] اھ هذا وفي الخانية والفتح والبحر واللفظ لقاضي خان اذا آجر داره او عبده بمائتي درهم لا تجب الزكوٰة ما لم يحل الحول بعد القبض في قول ابي حنيفة رحمة الله تعالٰى عليه فان كانت الدار والعبد للتجارة وقبض

قبضہ کے وقت زکوٰۃ ہوگی بشرطیکہ اس کے بعد سال گزرے اور دین ضعیف غیر مال کا بدل ہوتا ہے مثلاً مہر، بدل خلع، مگر ایسی صورت میں جب دین ضعیف کے ساتھ مالک کے پاس موجود مال ہو تو ملایا جائے (بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ دین ضعیف کو اس مال کے ساتھ ملایا جائے)، حاصل یہ ہے کہ اس میں سے جب کسی شئی پر قبضہ ہوا حالانکہ مالک کے پاس نصاب بھی تھا تو اب مقبوض کو نصاب سے ملا کر سال کی زکوٰۃ دی جائے اس میں قبض کے بعد سال کا گزرنا شرط نہیں، اھ تلخیصاً، اضافی عبارت ردالمحتار کی ہے۔ اقول ضعیف کی تعریف یوں کرنا بہتر ہے کہ جو مال کا بدل نہ ہو تاکہ اسے بھی شامل ہو جائے جو اصلاً بدل ہی نہیں مثلاً وہ دین جس کی وصیت کی گئی ہو۔ ردالمحتار میں محیط سے ہے وہ دین جس کی وصیت کی گئی ہو وہ قبض سے پہلے نصاب نہیں بن سکتا کیونکہ موصی لہ بغیر عوض کے ابتداءً مالک بن رہا ہے اور یہ ملکیت میں وصیت کرنے والے کا قائم مقام بھی نہیں، یہ ایسے ہوگا جیسے وہ ہبہ کا مالک بنا ہو اھ خانیہ، فتح اور بحر میں ہے اور الفاظ قاضی خاں کے ہیں جب کسی نے دار یا غلام دو سو دراہم کے عوض اجرت پر دیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے مطابق قبضہ کے بعد سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ لازم نہ ہوگی، اگر دار اور غلام تجارت کے لیے تھے اور سال کے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۶
ردالمحتار " " مصطفی البابی مصر ۲/۳۸ تا ۴۰

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال دارالکتب العربیہ مصطفی البابی مصر ۲/۳۹

اربعین درھما بعد الحول کان علیہ درھم بحکم الحول الماضی قبل القبض لان اجرۃ دار التجارۃ وعبد التجارۃ بمنزلۃ ثمن مال التجارۃ فی الصحیح من الروایۃ اھ[1] قلت فتقدم علی روایۃ انھا من الضعیف او الوسیط وان مشی علی الاخری فی المحیط وکذلک کون الموروث من المتوسط ھو الرجیح وان جزم فی الھندیۃ عن الزاھدی انہ من الضعیف فقد مرضھا فی الخانیۃ و اخر وھکذا اشار الی تضعیفہ فی الفتح و البحر فی ردالمحتار عن المنتقی رجل لہ ثلثمائۃ درھم دین حال علیھا ثلثۃ احوال فقبض مائتین فعند ابی حنیفۃ یزکی للسنۃ الاولٰی خمسۃ وللثانیۃ والثالثۃ اربعۃ اربعۃ من مائۃ وستین ولا شیئ علیہ فی الفضل لانہ دون الاربعین اھ[2] وفی الھندیۃ عن شرح المبسوط للامام السرخسی ان الدین مصروف الی المال الذی فی یدہ اھ[3] وفی ردالمحتار اذا کانت الالف من دین قوی کبدل عروض تجارۃ فان ابتداء الحول ھو حول الاصل لا من حین البیع ولا من حین القبض فاذا قبض منہ نصابا او اربعین

بعد چالیس دراہم پر قبضہ ہوا تو اب ایک درہم لازم اس سال کی وجہ سے ہوا جو قبضہ سے پہلے گزرا ہے کیونکہ صحیح روایت کے مطابق دارِ تجارت اور عبدِ تجارت کی اجرت مالِ تجارت کے ثمن کی مثل ہوتی ہے اھ قلت پہلے ایک روایت میں گزرا ہے کہ یہ دین ضعیف یا متوسط سے ہے اگرچہ محیط میں دوسری روایت کو اختیار کیا ہے، اسی طرح مالِ موروثہ بھی متوسط میں سے ہے اور یہی راجح ہے، اگرچہ ہندیہ میں زاہدی سے اس کے ضعیف ہونے پر جزم کیا ہے، خانیہ میں اسے کمزور قرار دیا ہے۔ اسی طرح فتح اور بحر میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ ردالمحتار میں منتقی سے ہے کہ کسی شخص کا تین سو دراہم دین تھا اور اس پر تین سال گزرے تو اس کا دو سو پر قبضہ ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک پہلے سال پانچ، دوسرے و تیسرے میں ایک سو ساٹھ میں سے چار چار درہم زکوٰۃ دے، فضل میں کوئی شی لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ چالیس سے کم ہیں اھ ہندیہ میں امام سرخسی کی شرح مبسوط سے ہے کہ دین اس مال کی طرف لوٹے گا جس پر قبضہ ہو اھ ردالمحتار میں ہے کہ جب دین قوی مثلاً بدل سامان تجارت ہزار دراہم ہوں تو سال کی ابتداء حولِ اصل سے ہوگی نہ کہ وقتِ بیع سے اور نہ وقتِ قبضہ سے، تو جب اس نے دین سے نصاب یا چالیس درہم پر قبضہ کیا تو اس سال کا

[1] فتاوٰی قاضی خاں	فصل فی مال التجارۃ	نولکشور لکھنؤ	۱/ ۱۱۸-۱۹
[2] ردالمحتار	باب زکوٰۃ المال	مصطفی البابی مصر	۲/ ۳۸
[3] فتاوٰی ہندیۃ	کتاب الزکوٰۃ	نورانی کتب خانہ پشاور	۱/ ۱۷۳

درهما زكاة عما مضى بانيا على حول الاصل فلو ملك عرضا للتجارة ثم بعد نصف الحول باعه ثم بعد حول ونصف قبض ثمنه فقد تم عليه حولان فيزكيهما وقت القبض بلا خلاف[1] اھ اقول وانما خص الكلام بالقوى لان اصله من اموال الزكوٰة بخلاف المتوسط فلا حول لاصله فلو لم يكن له قبله نصاب من جنسه لا يبتدأ الحول الا من حين البيع لانه به صار مال الزكوٰة كما نقله ههنا عن المحيط وليس يريد ان فى الوسيط لا يبتدأ الا من وقت البيع وان وجد قبله نصاب يجانسه تحت حولان الحول فانه خلاف مسئلة المستفاد والمتفق عليها عند علمائنا المصرح بها فى جميع كتب المذهب متونا وشروحا وفتاوٰى فافهم وتثبت. والله تعالٰى اعلم.

اعتبار کرتے ہوئے گزشتہ عرصہ کی زکوٰۃ دے اگر کوئی شخص تجارت کے لیے سامان کا مالک ہوا پھر اس نے نصف سال کے بعد سامان بیچ ڈالا اور ڈیڑھ سال کے بعد اس کے ثمن پر قبضہ کیا تو اب اس پر دو سال گزر چکے ہیں تو اب بلا اختلاف وقتِ قبض سے اس کی زکوٰۃ دی جائے گی اھ اقول دین قوی کے ساتھ کلام مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اصل اموالِ زکوٰۃ سے ہوتا ہے بخلاف دینِ متوسط کہ وہاں اس کے اصل پر سال شرط نہیں ہے۔ اب اگر اس کی جنس سے پہلے نصاب نہ تھا تو اب سال کی ابتداء بیع کے وقت سے ہی ہوگی کیونکہ اس کی وجہ سے وہ مالِ زکوٰۃ بنا ہے جیسا کہ اس مقام پر محیط سے منقول ہوا ہے اور یہ مراد نہیں کہ متوسط میں وقتِ بیع سے پہلے ابتداء نہیں ہو سکتی اگرچہ سال پہلے اس کی جنس سے نصاب ہو کیونکہ یہ مسئلہ مستفاد اور اس متفق علیہ مسئلہ کے خلاف ہے جس پر ہمارے علماء نے تمام کتب کے متون، شروحات اور فتاوٰی میں تصریح کی ہے، پس اسے اچھی طرح سمجھ لو اور اس پر قائم رہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

جب قرضہ کے ادا کی شکل نہ ہوئی تو شوہر نے والدہ کو رقعہ لکھ دیا اور وہ زیور ان سے واپس لے کر فروخت کر ڈالا اور روپیہ تجارت میں لگایا، بیچنا مجھے منظور نہ تھا مگر مجبوری تھی کہ روزگار نہ تھا، شوہر کی بیکاری تھی، قرضہ ابھی ادا نہ ہوا اور وہ تجارت بھی نقصان ہو کر چھوٹ گئی، مالکِ تجارت شوہر ہی سمجھے جاتے تھے، اس کی آمد گھر میں سب بال بچوں کے خرچ میں صرف ہوتی تھی۔ تجارت چھوٹنے کے بعد جو روپیہ بچا وہ سب گھر کے خرچوں میں صرف ہوا، کبھی یہ ذکر درمیان نہ آیا کہ میرے زیور کا روپیہ ہے کیونکہ معاملہ ایک سمجھا جاتا تھا اب وہ روپیہ بھی نہیں اور

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/۳۹

نہ شوہر کا روزگار ٹھیک ہے اور قرضہ بدستور ہے، بینوا توجروا۔

الجواب

اگر زیور تمھاری اجازت سے بیچ کر شوہر نے اپنی تجارت میں لگایا اگرچہ وہ اجازت اسی مجبوری سے تھی کہ شوہر کی بیکاری ہے تو اس کی قیمت شوہر پر قرض رہی اور اگر بے تمھاری اجازت کے بطور خود بیچ ڈالا اگرچہ تم نے سکوت کیا تو حکم غصب میں تھا بہرحال سال بسال اُس کی زکوٰۃ تم پر واجب ہوتی رہی اور واجب ہُوا کرے گی جب تک نصاب باقی رہے مگر اس زکوٰۃ کا دینا تم پر واجب نہ ہوگا، جب تک شوہر اس میں سے بقدر گیارہ روپے سوا تین آنہ کچھ کوڑیاں کم کے تمھیں ادا نہ کرے یعنی لعـہ ۳ر ۲ پائی جس وقت اس قدر اس میں سے تمھارے قبضہ میں آئے گا اُس وقت اس مقدار کا چالیسواں حصہ دینا واجب ہوگا اور اگر کچھ قبضہ میں نہ آئے گا تو اس زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب نہ ہوگا،

قال الشامی فی مسئلۃ المغصوب قال والظاھر علی القول بالوجوب ان حکم الدین القوی اھ[1] ای فیجب عند قبض اربعین درھما۔[2]

علامہ شامی نے مسئلہ مغصوب میں فرمایا کہ ظاہر وجوب کا قول ہی ہے کیونکہ یہی دین قوی کا حکم ہے اھ یعنی چالیس درہم کے قبضہ پر ایک درہم لازم ہوگا۔ (ت)

ہاں اگر تم نے وہ زیور انھیں دے ہی دیا تھا اس کی قیمت کبھی لینے کا خیال نہ تھا تو تم پر اس کی زکوٰۃ واجب ہی نہیں کہ ایسی حالت میں تمھیں استحقاقِ واپسی نہ رہا جبکہ کسی قرینہ سے شوہر کو مالک کردینا سمجھا گیا ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۸ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کا روپیہ اگر قرض میں پھیلا ہو تو اس کی زکوٰۃ اس کے ذمہ فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہے مگر جب بقدر نصاب یا خمس نصاب وصول ہو اُس وقت ادا واجب ہوگی جتنے برس گزرے ہوں سب کا حساب لگا کر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۹ ۸ شوال ۱۳۱۴ھ

(۱) شوہر میرا قرضدار ہے اور میرے پاس زیور ہے زکوٰۃ کے لائق، اور میرا شوہر کا معاملہ ایک ہے، اور میرے پاس جو کچھ روپیہ ہوا تو شوہر کے قرضہ میں دے دیا یہ سمجھ کر کہ میرا اور اُن کا معاملہ واحد ہے بلکہ شوہر کو معلوم بھی

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۹

بعد کو ہوا، اب میرا نہ شوہر پر تقاضا ہے نہ یہ گفتگو ہوئی کہ میں نے معاف کر دیا بلکہ اپنا اُن کا معاملہ ایک سمجھ کر قرضہ میں دے دیا۔ اب جو زیور ہے وہ قرضہ سے بہت کم ہے لیکن زکوٰۃ کے لائق ہے اس صورت میں زکوٰۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اور خرچ بال بچّوں کا بہت ہے آمد بہت کم ہے، اگر زکوٰۃ فرض ہو تو کچھ ایسی صورت بتائیے کہ جس میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے اور خرچ کو تکلیف نہ ہو۔

(۲) جو روپیہ میری والدہ کے پاس سے مجھ کو ملا تھا میں نے شوہر کے قرضہ میں دے دیا یا گھر میں بال بچّوں کے خرچ میں صرف ہُوا زکوٰۃ کا حال معلوم نہ تھا کہ مجھ پر فرض ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) عورت اور شوہر کا معاملہ دنیا کے اعتبار سے کتنا ہی ایک ہو مگر اللہ عزّوجل کے حکم میں وہ جدا جدا ہیں، جب تمھارے پاس زیور زکوٰۃ کے قابل ہے اور قرض تم پر نہیں شوہر پر ہے تو تم پر زکوٰۃ ضرور واجب ہے اور ہر سال تمام پر زیور کے سوا جو روپیہ یا اور زکوٰۃ کی کوئی چیز تمھاری اپنی ملک میں تھی اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوئی، جو روپے تم نے بغیر شوہر کے کہے بطورِ خود ان کے قرضہ میں دے دیا وہ تمھارا احسان سمجھا جائے گا اس کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہوسکتا، بال بچّوں کا خرچ باپ کے ذمّہ ہے تمھارے ذمّہ نہیں، زکوٰۃ دینے سے خرچ کی تکلیف نہ سمجھو بلکہ اس کا نہ دینا ہی تکلیف کا باعث ہوتا ہے نحوست اور بے برکتی لاتا ہے اور زکوٰۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اللہ تعالٰی برکت و فراغت دیتا ہے، قرآن مجید میں اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالٰی سچّا اور اس کا وعدہ سچّا، والسلام۔

(۲) اگر روپیہ تم نے شوہر کو دیا کہ اس سے اپنا قرض ادا کرلو اور اُسے دے ڈالنا مقصود نہ تھا تو وہ روپیہ تمھارا شوہر پر قرض ہے،

فی العقود الدریۃ عن لسان الحکام دفع الیہ دراھم فقال لہ انفقھا ففعل فھو قرض کما لو قال اصرفھا الی حوائجك[1]

عقود الدریہ میں لسان الحکام سے ہے کہ اگر کسی کو یہ کہتے ہُوئے دراہم دیئے گئے کہ تم انھیں خرچ کرو اب اس نے خرچ کرلیے تو یہ قرض ہے جیسا کہ کہا ہو کہ تُو اسے اپنی ضروریات میں خرچ کرے (ت)

اس صورت میں تو وہی حکم ہے کہ اس کی زکوٰۃ تم پر سال بسال واجب جب تک نصاب باقی رہے، مگر یہ زکوٰۃ دینا اسی وقت لازم ہوگا جب شوہر سے بقدر ۱۰ عہ ۲؎ کے وصول پاؤ گی، اُس وقت اس زکوٰۃ میں سے ساڑھے چار آنے دینے واجب ہوں گے کچھ کوڑیاں کم یعنی ۴ر ۵ $\frac{19}{25}$ پائی، اور اگر شوہر کو دے ڈالا یا بطورِ خود بغیر شوہر کی

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ حاجی عبدالغفار و پسران تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۱

درخواست کے اُن کے قرضہ میں دے دیا تو یہ روپیہ اور نیز وُہ جو بچوں کے خرچ میں صرف ہُوا اُن میں یہ دیکھا جائے گا کہ زکوٰۃ کا سال تمام ہونے سے پہلے یہ روپیہ دے ڈالا اور صرف ہو گیا جب تو کچھ نہیں، اور اگر بعد زکوٰۃ واجب ہونے کے دے دیا اور اُٹھ گیا تو جب تک باقی تھا اتنی مدت کی زکوٰۃ واجب رہی جب سے دے ڈالا خرچ ہو گیا زکوٰۃ لازم نہ ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۱ صفر ۱۳۳۲ھ

عورت پر مہر کی زکوٰۃ کون سی صورت سے واجب ہوگی مثلاً مہر غیر معجل ہے یا کہ معجل اور غیر معجل دونوں میں عورت نے معاف کر دیا یا کہ معجل اور غیر معجل دونوں میں شوہر نے ادا نہ کیا عورت پر جب بھی کیا زکوٰۃ واجب؟ بینوا توجروا۔

الجواب

معجل مہر سے جب بقدر خمس نصاب ہو اُس وقت عورت پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی اور پہلے دیتی رہے تو بہتر ہے اور یہ مہر جو عام طور پر بلا تعیینِ وقت باندھا جاتا ہے جس کا مطالبہ عورت قبلِ موت و طلاق نہیں کر سکتی اس پر زکوٰۃ کی صلاحیت بعد وصول ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔